دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

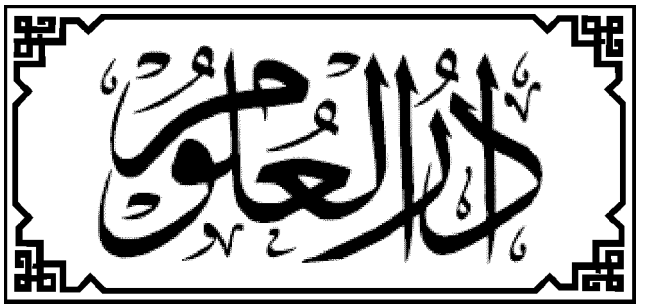

جلد: ۹۴	ربیع الاوّل-ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ مطابق مارچ ۲۰۱۰ء	شمارہ: ۳

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ-/۱۵روپئے، سالانہ-/۱۵۰روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ-/۱۱۰۰روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ-/۵۰۰روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم-/۵۰۰روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	مقام صحابہؓ قرآن کریم کی روشنی میں	مولانا شفیق احمد اعظمی	۷
۳	عید میلاد النبی ﷺ حقیقت کے آئینے میں	محمد شاہ نواز عالم قاسمی	۱۲
۴	بابا رتن اور ان کے حالاتِ زندگی	مولانا عبید اللہ فاروق بارہ بنکی	۱۸
۵	میرے قابل احترام اساتذۂ کرام...	مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	۲۷
۶	سب سے زیادہ ہندوستانی سعودی عرب میں	ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی	۴۴
۷	شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب کے سانحۂ ارتحال کے بعد دار العلوم میں...	مولانا اشتیاق احمد	۴۷
۸	تعارف وتبصرہ	مولانا سرفراز احمد قاسمی	۵۲

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

۱۸؍صفر ۱۴۳۱ھ =۴؍فروری ۲۰۱۰ء پنجشنبہ کو برصغیر ہندوپاک اور بنگلہ دیش کا علمی ودینی حلقہ ایک جلیل القدر صاحب درس عالم دین کے فیوض وبرکات سے محروم ہوگیا، یعنی ایشیاء کی مشہورو بے مثال اسلامی دانش گاہ ''دارالعلوم دیوبند'' کے قدیم نائب مہتمم، صدرالمدرسین، اورشیخ الحدیث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیراحمد خاں صاحب دارفنا سے ملک بقاء کوسدھار گئے إنَّا لِلّٰہِ وإنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون – اللهم اغفرله، واكرم نزله، والحقه بسلف الصالحين، آمين

حضرت مولانا قدس سرہ بزرگوں کی روایات کے محافظ، اور دارالعلوم دیوبند کے مخصوص مزاج ومذاق کے امین تھے، قدرت کے دستِ فیاض نے انھیں حسن صورت اورحسن سیرت دونوں سے آراستہ ومزین کیا تھا، انھیں دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ كَأنّ الملك نزل من السماء گویا فرشتہ آسمان سے اتر آیا ہے، چوڑی چکلی روشن پیشانی، آہ سحرگاہی سے دمکتا ہوا چہرہ، سفید ونظیف لباس، جس پر سلیقے وقرینے کی گلکاری، مسند درس پر بیٹھتے تو لگتا کہ ایک مرقعۂ نور جلوہ افروز ہے، پرکشش بلند آواز، لہجے کی تمکنت، اور بیان وادا کی وضاحت سے درس کی تقریر ایسی لگتی جیسے عندلیب تیز لے میں نغمہ سنج ہے، وہ میدان علم وفن کے شہ سوار اور تدریسی تجربات کے بحر ذخار تھے، ان کا شمار درس نظامی کے ماہرترین اساتذہ میں ہوتا تھا، منقولات ومعقولات ہردونوں میں انھیں یکساں دسترس حاصل تھی بالخصوص علم ہیئت میں تو اس وقت ان کا کوئی ہمسر وہم پلہ نہیں تھا، دارالعلوم دیوبند کی لگ بھگ ڈیڑھ صدی کی طویل تاریخ میں وہ اپنی اس خصوصیت میں منفرد ویگانہ تھے کہ انھوں نے اپنی تدریسی سفر کی ابتداء میزان ومنشعب سے کی اور اختتام اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی صحیح بخاری پر کیا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُوتِیْہِ مَنْ یَشَاءُ''.

خدائے رحیم وکریم نے حضرت مولانا کو اپنی رحمت کا مظہر بنایا تھا وہ رحمت ورأفت اورشفقت

ومحبت کے پیکر مجسم تھے، جس کسی کو بھی آپ سے تعلق اور وابستگی نصیب ہوئی چاہے وہ مختصر مدت ہی کی ہو وہ آپ کی اس مخلصانہ ادا کا گرویدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا ہر شخص سے ایسا مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے کہ سب یہی باور کرتے کہ حضرت کی شفقت وعنایت مجھ پر سب سے زیادہ ہے۔

کسی عالم دین اور صاحب درس فاضل کو اس عالم رنگ وبو میں جو عزت وعظمت اور برتری وبڑائی میسر ہوسکتی ہے وہ بفضل رب عزیز حضرت مولانا کو حاصل تھی، دارالعلوم دیوبند جیسی باعظمت وتاریخ ساز دینی درسگاہ کے صدر مدرس وشیخ الحدیث تھے، ہزاروں عالم ان کے شاگرد اور نیازمند ہیں، اس عظمت ووجاہت کے باوجود ان میں تواضع اور فروتنی اس قدر تھی کہ جن لوگوں کو ان کے قریب رہنے اور برتنے کا موقع نہیں ملا ہے وہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے ہیں بس یوں سمجھئے کہ ہم عصر علماء میں وہ اپنے اس وصف میں سب سے ممتاز تھے۔

خالقِ کائنات نے ان کے قلب وزبان کو سلیم بنایا تھا، ان کی عام مجلسیں ہی نہیں بلکہ خاص مجالس بھی شکوہ وشکایت اور غیبت سے پاک وصاف رہتی تھیں وہ نہ خود کسی کے بارے میں حرف شکایت زبان پر لاتے تھے نہ دوسروں سے اس کا سننا پسند کرتے تھے، تحمل وبرداشت ان کی عادت، اور خوش اخلاقی ان کا شیوہ تھی، وہ ایک ایسے قابل ستائش مرد مومن تھے جس کی ذات سب کے لئے سایۂ عاطفت وسکینت تھی، سخت سے بڑے سخت جذباتی حالات میں بھی وقار وتمکنت کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹتے نہیں پاتا تھا، کہاں تک ان کے حسنات وبرکات کو بیان کیا جائے وہ تو اک خزانۂ خوبی تھے جس کا احساس ان کے بچھڑنے کے بعد ہورہا ہے۔

خدا بخشے بہت ہی خوبیاں تھیں جانے والے میں

سوانحی خاکہ: حضرت مولانا نسبی طور پر افغان بازید خیل داؤدزئی سے تعلق رکھتے ہیں شجرۂ نسب ''یادگار سلف'' نامی کتاب میں یوں ہے: حضرت مولانا نصیر احمد خاں بن عبدالشکور خاں بن حقداد خاں بن بنیاد خاں بن سردار خاں بن عمر خاں بن غیاث خاں بن شہباز خاں بن سلیم خاں بن دیوان دولت خاں بن شیخ داؤد خاں بن شیخ عیسیٰ خاں افغان بازید خیل داؤدزئی۔

غالباً شہباز خاں ان کے پہلے مورث اعلیٰ ہیں جنھوں نے موضع ''دبسی'' ضلع بلند شہر کو اپنا مسکن اور وطن بنایا۔

تاریخ ولادت: اسی موضع ''دبسی'' میں ۲۱ ربیع الاوّل ۱۳۳۷ھ = ۲۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کے والد گرامی جناب عبدالشکور خاں سرکاری فوج میں ملازم تھے، ساتھ ہی زمیندار بھی تھے، جب حضرت شیخ الہند نے ترک موالات کی تحریک شروع کی تو اس وقت کے علماء کے فتویٰ پر

عمل پیرا ہوتے ہوئے فوج کی ملازمت سے مستعفی ہوگئے اور ذریعہ معاش کیلئے کاشت کاری کرنے لگے۔

تعلیم وتربیت: تعلیم وتحصیل کے مراحل آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خاں متوفی ۱۹۶۶ء رحمہ اللہ سابق استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زیرنگرانی مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں طے کئے جہاں حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب مدرس اعلیٰ کے منصب پر فائز تھے۔

منبع العلوم گلاوٹھی ملک کے ان قدیم تاریخی مدارس میں سے ایک ہے جو حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہ اور ان کے رفقاء کی تحریک قیام مدارس کے تحت قائم کیا گیا تھا، جس میں ایک زمانہ تک حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند وغیرہ اکابر دارالعلوم کے ساختہ پرداختہ علماء وفضلاء تدریسی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا اسی مدرسہ میں حفظ قرآن اور اردو فارسی کی تعلیم کے ساتھ اپنے بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خاں صاحب سے مع دورۂ حدیث درس نظامی کی تحصیل وتکمیل کی ۱۳۶۱ھ میں بعض اختلافات کی بناء پر جب حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندی رحمہم اللہ وغیرہ اساتذہ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوگئے تو ان کی جگہوں کو پر کرنے کے لئے مولانا بشیر احمد خاں صاحب، مولانا فخر الحسن صاحب اور مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک رحمہم اللہ کو دارالعلوم میں تدریس پر مقرر کیا گیا تو برادر کبیر مولانا بشیر احمد صاحب کے ساتھ حضرت مولانا بھی دیوبند آگئے اور دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر دوبارہ دورۂ حدیث کی تحصیل وتکمیل کی، اور ۱۳۶۴ھ تک دارالعلوم میں زیر تعلیم رہ کر دورۂ حدیث کے ساتھ ہدایہ آخرین، مسلم الثبوت، توضیح وتلویح، بیضاوی سورۂ بقرہ، سراجی، دیوان متنبّی، شرح چغمینی، ملاجلال، قاضی، صدرا، حمداللہ، میرزاہد وغیرہ معقولات وغیرہ کی اہم کتابوں کی تحصیل کی، ساتھ ہی فن طب میں نفیسی، حمیات قانون، قانونچہ، شرح اسباب کامل کا بھی درس لیا، اور فن قرأت وتجوید کی بھی مع اجرائے سبعہ تکمیل کی۔

آپ کے دارالعلوم کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی، حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہوی، حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک، حضرت مولانا قاضی شمس الدین گجرانوالہ، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن پرتاب گڑھی، حضرت مولانا حکیم محمد عمر دیوبندی وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم میں خدمت تدریس: ۶۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں فنون کی تکمیل کے بعد ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ میں درجہ ابتدائی عربی میں بحیثیت استاذ آپ کا تقرر عمل میں آیا، اور میزان

الصرف، منشعب، نحومیر وغیرہ نحووصرف کی بالکل ابتدائی کتابوں سے آپ نے تدریس کا آغاز کیا، سات سال تک ابتدائی کتابیں کامیابی کے ساتھ پڑھالینے کے بعد ۲۴؍ذی قعدہ ۱۳۷۲ھ میں درجہ وسطیٰ ب میں ترقی ہوئی، نیز شعبان ۱۳۸۶ھ میں درجہ وسطیٰ الف میں ترقی دی گئی، بعدازاں ۶؍صفر ۱۳۹۱ھ میں آپ ترقی پاکر درجۂ علیا میں پہنچ گئے اور ساتھ ہی نیابت اہتمام کا منصب بھی تفویض ہوا، اور ۱۳۹۷ھ میں بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم صحیح بخاری کا درس آپ سے متعلق ہوا، اس سے پہلے طحاوی، موطا، اور صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث کا درس دے چکے تھے۔ اس کے نو سال بعد قائمقام صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے، اور بارہ سال تک بحیثیت قائمقام صدر مدرسی کی خدمات انجام دینے کے بعد ربیع الاوّل ۱۴۰۰ھ میں مجلس شوریٰ نے آپ کو مستقل صدر مدرس مقرر کردیا اور ۱۴۲۹ھ تک ان دونوں منصبوں پر فائز رہے پھر ضعف پیری اور امراض کی کثرت کی بناء پر ازخود مجلس شوریٰ میں تحریر دے کر مفوضہ ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوگئے۔

تدریس کی اس پینسٹھ سالہ مدت میں ہر فن کی کتابوں کا درس دیا اور کامیاب درس دیا۔ آپ کا قلب سلیم، علم راسخ اور مزاج شگفتہ تھا اس لئے بغیر کسی خارجی سہاروں کے ترقی، نیک نامی اور قبولیت کے اس بلند و بالا مقام پر پہنچے جہاں ان کے معاصر علماء میں کوئی نہیں پہنچ پایا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر اک کا یہ نصیب یہ بخت رسا کہاں

تزکیۂ نفس: حضرت مولانا اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ سے متاثر تھے، درس اور دیگر مجالس میں ان کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے اور بسا اوقات ان کے ذکر پر گلوگیر ہوجاتے اور آنکھیں بھر آتیں، تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد انھیں سے بیعت بھی ہوگئے تھے، اور ان کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف پر پابندی سے عمل پیرا تھے، حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی وفات کے بعد اصلاحی تعلق حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ سے قائم کرلیا تھا اور انھیں کی رہنمائی میں سلوک کی منزلیں طے کرکے خلافت پائی۔

شب خیزی آپ کا دائمی معمول تھا بالعموم تین بجے اٹھ جاتے تھے، جب تک ٹانگوں میں طاقت رہی تہجد میں ایک منزل قرأتِ قرآن کا معمول رہا، تہجد ادا کرنے کے بعد نماز فجر تک ذکر واذکار میں مصروف رہتے تھے، نماز باجماعت کی پابندی اور جمعہ کے دن اذان سے پہلے مسجد میں پہنچ کر نوافل وتلاوت میں مشغول رہنا ایک ایسا عمل تھا جس میں شاذ و نادر ہی تخلف ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو ان کی علمی و دینی عظمتوں کی طرح وہاں بھی ارفع واعلیٰ درجات سے نوازے۔ اللھم افض علیه شآبیب رحمتك وعفوك وادخله الجنة، واستقمنا من علومه وبر كاته، آمين.

مقام صحابہؓ قرآن کریم کی روشنی میں

از: مولانا شفیق احمد اعظمی
امام وخطیب مسجد وزارۃ اوقاف، ابوظبی

صحابی کی تعریف

علماء متقدمین ومتاخرین نے صحابی کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر اس صاحب ایمان شخص کو صحابی کہا جائے گا جس نے ایمان کی حالت میں خاتم النّبیین محمد عربی ﷺ سے شرف ملاقات حاصل کیا اور اسی ایمان کے ساتھ وفات پائی، اور ظاہر ہے کہ وہ نابینا حضرات یا صحابہ کے نومولود بچے جو آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارکہ میں لائے گئے ان سب کو ملاقات حاصل ہے لہٰذا بلاتردد جماعت صحابہ میں ان کا شمار ہوگا۔

اس طرح کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کا پاکیزہ گروہ اس زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے جس کے بارے میں علماء اہل سنت والجماعت اور ائمہ سلف کا بالاتفاق قول ہے کہ سب کے سب نجوم ہدایت ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اَصحَابی کالنُّجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم. (ترمذی) گروہ صحابہ کا وجود، رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب ﷺ کے عالمگیر پیغام رسالت کو خطۂ ارضی کے ہر گوشہ تک اس کی حقیقی روح کے ساتھ پھیلایا اور اس طرح آنحضور ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا بھی ثابت کردیا اور وما ارسلناك الا کافة للناس (سورہ فاطر:۲۴) کی تفسیر بھی دنیا کے سامنے پیش کردی گئی۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ برگزیدہ جماعت کے ذریعہ اسلام کا تعارف بھی کرادیا گیا اور رسول عربی ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور سنت کو عام کیا گیا اگر رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الگ رکھ کر ان کو عام انسانوں کی طرح خاطی وعاصی تصور کرکے غیر معتبر قرار دیا جائے گا تو اسلام کی پوری عمارت ہی منہدم ہوجائے گی نہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت معتبر رہے گی نہ قرآن اور

اس کی تفسیر اور حدیث کا اعتبار باقی رہے گا کیونکہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ من جانب اللہ ہم کو عطاء کیا ہے وہ ہم تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی معرفت پہنچا ہے خود معلم انسانیت محمد عربی نے اپنے جاں نثار اطاعت شعار صحابہ کی تربیت فرمائی تھی۔ صحابہ کرام نے اوّل اوّل، زبان رسالت سے آیات اللہ کو ادا ہوتے سنا تھا اور کلام رسول کی سماعت کی تھی پھر دونوں کو دیانت وامانت کے ساتھ اسی لب ولہجہ اور مفہوم ومعانی کے ساتھ محفوظ رکھا اور بحکم رسول عربی ﷺ اس کو دوسروں تک پہنچایا کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور ﷺ نے ان کو تبلیغ کا مکلّف بنایا تھا... بَلِّغُوْ عَنِّی وَلَوْ آیۃً (بخاری ومسلم) میری جانب سے لوگوں کو پہنچادو اگر چہ ایک آیت ہی ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درسگاہ نبوت میں حاضری کا مکلّف ایک خاص حکم کے ذریعہ بنایا تھا کہ ہر وقت ایک متعدبہ جماعت اللہ کے رسول کی خدمت میں اسلام سیکھنے کیلئے حاضر رہے اس لئے کہ کب کوئی آسمانی حکم اور شریعت کا کوئی قانون عطا کیا جائے، لہٰذا ایک جماعت کی آپ کی خدمت میں حاضری لازمی تھی اور ان کو بھی حکم تھا کہ جو حضرات خدمت رسالت میں موجود نہیں ہیں ان تک ان نئے احکام اور آیات کو پہنچائیں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (سورہ توبہ:۱۲۲)

ترجمہ: اور مسلمانوں کو نہیں چاہئے کہ سب کے سب چلے جائیں۔ تو کیوں نہ ہر فرقہ میں سے نکلی ایک جماعت جو مہارت ورسوخ حاصل کرتی دین میں اور تاکہ ڈرائیں اپنی قوم کو جب کہ وہ لوٹ کر آئیں ان کے پاس ہوسکتا ہے کہ وہ ڈریں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ کرام سے محبت وعقیدت کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت نہیں ہوسکتی اور صحابہ کرام کی پیروی کئے بغیر آنحضور ﷺ کی پیروی کا تصور محال ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے وہ عین اسلام اور اتباع سنت ہے اور ان کے ایمان کے کمال وجمال، عقیدہ کی پختگی، اعمال کی صحت واچھائی اور صلاح وتقویٰ کی عمدگی کی سند خود رب العالمین نے ان کو عطا کی ہے اور معلم انسانیت ﷺ نے اپنے قولِ پاک سے اپنے جاں نثاروں کی تعریف وتوصیف اور ان کی پیروی کو ہدایت وسعادت قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انسان تھے ان سے بھی بہت سے مواقع پر بشری تقاضوں کے تحت لغزشیں ہوئی ہیں لیکن لغزشوں، خطاؤں، گناہوں کو معاف کرنے والی ذات اللہ کی ہے اس نے صحابہ کرام کی

اضطراری، اجتہادی خطاؤں کو صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس معافی نامہ کو قرآن کریم کی آیات میں نازل فرما کر قیامت تک کیلئے ان نفوس قدسیہ پر تنقید وتبصرہ اور جرح وتعدیل کا دروازہ بند کردیا اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ایمان کی صداقت اور اپنی پسندیدگی کی سند بھی بخشی ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا جماعت صحابہ کرام پر نقد وتبصرہ کی مرتکب ہوتی ہے تو اس کو علماء حق نے نفس پرست اور گمراہ قرار دیا ہے ایسے افراد اور جماعت سے قطع تعلق ہی میں خیر اور ایمان کی حفاظت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت (خواہ کبار صحابہ ہوں یا صغار صحابہ) عدول ہے اس پر ہمارے ائمہ سلف اور علماء خلف کا یقین وایمان ہے۔ قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق آیات پر ایک نظر ڈالئے پھر ان کے مقام ومرتبہ کی بلندیوں کا اندازہ لگائیے اس کے بعد بھی اگر کسی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص کی جرأت کی ہے تو اس کی بدبختی پر کفِ افسوس ملئے۔

صحابہ سراپا ادب اور پیکر تقویٰ تھے

اِنَّ الذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْواتَھم عِندَ رَسُولِ اللّٰہِ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اِمْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوبَھُم لِلتَّقْوٰی لَھُم مَغْفِرۃٌ وَاَجْرٌ عَظِیْمٌ. (سورہ الحجرات:۳)

ترجمہ: بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خالص کردیا ہے ان لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

کفر وفسق سے محفوظ تھے

وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُولَ اللّٰہِ لَو یُطِیعُکم فِی کَثِیرٍ مِنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُم الاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِی قُلُوبِکُمْ وکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالعِصْیَانَ اُولٰئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ (سورۃ الحجرات:۷)

ترجمہ: اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ﷺ ہیں اگر بہت سے کاموں میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم پر مشکل پڑے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کی (تحصیل) کو تمہارے دلوں میں مرغوب کردیا اور کفر وفسق اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں۔

عبادت کے خوگر اور رحمدل تھے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُم فِي وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (سورہ فتح:۲۹)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کررہے ہیں کبھی سجدہ کررہے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں ان کی (عبدیت) کے آثار سجدوں کی تاثیر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب سورہ فتح کی تفسیر کرتے ہوئے معارف القرآن جلد ۸ میں تحریر کرتے ہیں:

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں جن میں چند آیات اسی سورۃ میں آچکی ہیں: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ، اور، اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوا اَحَقَّ بِها وَاَهْلَها، انکے علاوہ بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے، يَومَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ. وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحتَهَا الْاَنْهٰرَ. اور سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا ہے: وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الحُسْنٰى. یعنی ان سب سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے پھر سورہ انبیاء میں حسنیٰ کے متعلق فرمایا إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنا الحُسْنٰى اولئك عَنهَا مُبْعَدُوْنَ یعنی جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے حسنیٰ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دور رکھے جائیں گے۔

صحابہ پر طعنہ زنی جائز نہیں

امام المفسرین علامہ قرطبی اپنی مشہور ومعروف تفسیر قرطبی جلد نمبر ۱۶، ص:۳۲۲ پر رقم طراز ہیں: یہ جائز نہیں کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لئے ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور ان سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے ان کے باہمی اختلافات میں کف

لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہتر طریقہ پر کریں، کیونکہ صحابیت بڑی حرمت (وعظمت) کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے۔ بحوالہ معارف القرآن، ج:۸۔

ہر مشکل کا حل اتباع صحابہ

آج ہم مسلمانوں کو عالمگیر سطح پر مشکلات کا سامنا ہے ہر محاذ پر ناکامی اور پسپائی ہے دشمنان اسلام متحد اور اسلام کو مٹانے پر متفق ہیں مسلمانوں پر طرح طرح سے الزامات اور بہتان تراشی ہو رہی، پوری دنیا میں اسلام کی شبیہ کو خراب کرنے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے میں میڈیا سرگرم ہے یورپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی لہر چل رہی ہے ہم ایک خطرناک اور نازک دور سے گذر رہے ہیں ان حالات میں صحابہ کرام کی مثالی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے ان پاکیزہ نفوس کو بھی ان حالات کا سامنا تھا بلکہ بعض اعتبار سے آج کے حالات سے زیادہ خطرناک صورتِ حال تھی مکہ میں ابتلاء وآزمائش کے شدید دور سے گذرتے تھے تعداد بھی کم تھی اور وسائل بھی نہیں، حدیبیہ میں یہودیوں اور منافقوں کی فتنہ انگیزیاں اور سازشیں تھیں، مشرکین مکہ کے حملے اور یہودی قبائل سے لڑائیاں تھیں پھر دائرہ وسیع ہوا تو قیصر روم اور کسریٰ کے خطرناک عزائم تھے ان سب حالات کا مقابلہ صحابہ کرام نے جس حکمت عملی اور صبر واستقامت سے کیا وہی تاریخ ہم کو دہرانی پڑے گی، اس لئے ضروری ہے کہ ہم سیرتِ صحابہ کا مطالعہ کریں ان کو اپنا رہنما ومقتدا جان کر اِس محبت وعقیدت سے ان کی پیروی کریں کہ ان کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ ہے صحابہ ہمارے لئے معیار حق اور مشعل راہ ہیں ان کی شان میں کسی قسم کی گستاخی گوارہ نہیں ان کی عظمت شان کی بلندیوں تک کسی کی رسائی نہیں عصر حاضر میں ان حضرات کی پیروی گذشتہ صدیوں کے مقابلہ میں زیادہ ضروری اور اہم ہے اور کامیابی کا تصور اس کے بغیر ممکن نہیں۔

میں نے چند آیات کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے ورنہ ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں ان کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے ہیں جبکہ کتب احادیث میں مناقب صحابہ ایک مستقل باب ہوتا ہے جس میں انفرادی طور پر کبار صحابہ کے مناقب بھی ہیں اور مجموعی طور پر تمام اصحاب رسول کی عظمت وجلالت کا ذکر بھی ہے۔

❁ ❁ ❁

عید میلاد النبی ﷺ حقیقت کے آئینے میں

از: محمد شاہ نواز عالم قاسمی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

چودہ سو برس سے زیادہ زمانہ گذرا کہ رب العالمین نے ظلمت کدہ عالم کو نور بخشنے والا وہ پیغمبر بھیجا جس کے ہاتھ میں سیادت رسل کا علم اور سر پر خاتمیت انبیاء کا تاج تھا۔ اللہ جل جلالہ نے اپنے پیغمبر کو ایسی شریعت کاملہ عطا فرمائی کہ اس کے بعد قیامت تک نوع انسانی کے لیے کسی مذہبی قانون اور نئی شریعت کی ضرورت درپیش نہ ہوگی۔

مگر مسلمانوں نے اس شریعت مطہرہ پر کاربند ہونے کی بجائے ایسے رسوم وقیود اپنا لیے جو ہندوؤں اور غیر مسلم اقوام سے درآمد شدہ ہیں جو مسلمانوں میں غیر مسلموں کے ساتھ میل جول اور اسلامی تعلیم کے فقدان کے سبب پیدا ہوگئے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ عام سادہ لوح مسلمان ان باطل رسوم کو اسلام کا نام دے رہے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ دین ہے۔!!

افسوس ان حضرات پر ہے جو بدعات ورسوم کی حقیقت سے آگاہی کے باوجود محض دنیوی اغراض اور عاجلانہ مقاصد کے حصول اور سیم وزر کی لالچ میں بدعتوں وجاہلانہ روایتوں کو سنت کا نام دے کر عوام کو تاریکی کی دلدل میں دھکیل رہے ہیں؛ بلکہ ان بدعتوں وخرافات کو سنت ثابت کرنے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہیں۔

آج کل ہمارے معاشرے میں بدعات وخرافات کا رواج ہے، باطل نظریات اور غلط عقائد وافکار کی حکمرانی ہے، اہل باطل ان بدعتوں پر دین کا لیبل چسپاں کر کے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور عوام اس پر عمل پیرا ہوجاتے ہیں، رفتہ رفتہ وہ بدعتیں پھیل جاتی ہیں اور معاشرے میں اس کی جڑیں مضبوط ہوجاتی ہیں۔ ان بدعتوں میں سرفہرست ''عید میلاد النبی'' ہے، جسے معاشرے کے اکثر افراد دین تصور کرتے ہیں اور عبادت سمجھ کر منائی جاتی ہے، جلوس نکالے جاتے ہیں، جلسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، محفل میلاد منعقد کی جاتی ہے۔

یہ ایک سچائی ہے کہ اسلام میں حضور اکرم ﷺ کا مقام انتہائی اونچا ہے، کوئی دوسرا وہاں تک رسائی نہیں حاصل کرسکتا، نیز حضور اکرم ﷺ کے حالات سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اسلام کا اہم ترین فریضہ ہے اور اس میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت خوشی کا باعث ہے۔ مسلمانوں کے دلوں میں حضور ﷺ کی پیدائش کی خوشی ہونا فطری اور طبعی بات ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں بدعات وخرافات کا سلسلہ شروع کردیا جائے جیسا کہ آج کل کیا جاتا ہے۔ آں حضور ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا: تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے، ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور نئی نئی باتوں سے دور رہو؛ اِس لیے کہ دین میں ہر نئی بات (جس کا حکم نہ دیا گیا ہو) بدعت ہے۔ (مستدرک حاکم، ج:۱،ص:۹۶)

اس مروّجہ میلاد کا اسلام میں کہیں ثبوت نہیں ہے؛ بلکہ یہ مروّجہ میلاد ساتویں صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ پوری چھ صدی تک اِس بدعت کا مسلمانوں میں کہیں رواج نہ تھا؛ نہ کسی صحابیؓ نے، نہ تابعیؒ نے، نہ تبع تابعینؒ نے عید میلاد نبی منائی، نہ کسی محدث نے، نہ مفسر نے، نہ فقیہ نے؛ بلکہ سب سے پہلے میلاد منانے والی شخصیت موصل کے علاقے اربل کا ظالم، ستم شعار اور فضول خرچ بادشاہ ملک مظفرالدین ہے۔ ۶۰۴ھ میں سب سے پہلے اس کے حکم سے محفل میلاد منائی گئی۔ (دول الاسلام، ج:۲،ص:۱۰۴) امام احمد بن محمد مصری اپنی کتاب ''القول المعتمد'' میں لکھتے ہیں:

اس ظالم اور مسرف بادشاہ (ملک مظفرالدین) نے اپنے زمانے کے علماء کو حکم دیا کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کریں اور اس میں کسی غیر کے مذہب کا اتباع نہ کریں تو اس وقت کے وہ علما جو اپنے دنیوی اغراض ومقاصد کی سرتوڑ کوششیں کررہے تھے اُن کی طرف مائل ہوئے، جب اُنھیں موقع ملا تو ربیع الاوّل کے مہینے میں عید میلاد النبیؐ منانا شروع کیا۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے عید میلاد النبیؐ منانے والا شخص ملک مظفرالدین ہے جو موصل کے علاقے اربل کا بادشاہ تھا۔''

علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ شخص ہر سال میلاد پر لاکھوں روپیہ خرچ کرتا تھا اس طرح اُس نے رعایا کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا شروع کیا اور اس کے لیے ملک وقوم کی رقم کو محفل میلاد پر خرچ کرنا شروع کیا اور اس بہانے اپنی بادشاہت مضبوط کرتا رہا اور ملک وقوم کی رقم بے سود صرف کرتا رہا۔ (فیض الباری، ج:۲،ص:۳۱۹)

علامہ ذہبیؒ رقم طراز ہیں: اس کی فضول خرچی اور اسراف کی حالت یہ تھی کہ وہ ہر سال

میلاد النبیؐ پر تقریباً تین لاکھ روپے خرچ کیا کرتا تھا۔ (دول الاسلام، ج:۲،ص:۱۰۳)

ذرا اُس باطل پرست اور کج فکر کی حالت بھی سن لیجئے جس نے محفل میلاد کے جواز پر دلائل اکٹھے کیے اور بادشاہ کو اس محفل کے انعقاد کے جواز کا راستہ بتایا اس کا نام ابوالخطاب عمرو بن دحیہ تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اُس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں: وہ شخص ائمہ کی شان میں گستاخی کیا کرتا تھا، زبان دراز، بے وقوف اور متکبر تھا اور دینی امور میں سست اور بے پرواہ تھا۔ (لسان المیزان، ج:۴،ص:۲۹۶)

یہ تو میلاد کی ابتدائی تاریخ اور اُس کے موجد پر بحث تھی اب آیئے! علماے متقدمین ومتأخرین اس محفل میلاد کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن مغربیؒ لکھتے ہیں: میلاد منانا بدعت ہے؛ اِس لیے کہ اِس کو حضور ﷺ نے کیا ہے نہ اِس کے کرنے کو کہا ہے۔ خلفائے کرام نے میلاد منائی ہے اور نہ ائمہ نے۔ (الشریعۃ الالٰہیہ بحوالہ حقیقت میلاد،ص:۴۱)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس میلاد کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے؛ لیکن اس میں قیاس آرائی پر عمل کیا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرّانی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں تحریر فرماتے ہیں: نصاری میلاد عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مناتے تھے، جب مسلمانوں کی اس طرف نظر ہوئی تو دیکھا دیکھی مسلمانوں نے یہ رسم اختیار کی؛ حال آں کہ سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اگر یہ جائز ہوتی اور اس کے منانے میں خیر ہوتی، تو پہلے کے لوگ جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبت رکھتے تھے اور اچھے کام کرنے کے زیادہ حریص تھے؛ وہ مناتے؛ لیکن سلف صالحین کا میلاد نہ منانا یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ میلاد مروّجہ طریقے پر منانا درست نہیں ہے۔''

اس میں لوگوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ یہ بڑی عبادت ہے حال آں کہ یہ بدعت ہے اور اس میں محرمات کا ارتکاب ہوتا ہے اور دیگر لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ اگر میلاد منائی جائے اور اس میں محرمات کا ارتکاب نہ ہو اور وہ تمام مفاسد نہ ہوں جو اس کے منانے میں ہوتے ہیں، تب بھی میلاد منانا بدعت ہے؛ کیوں کہ یہ دین میں زیادتی ہے اور اسلاف کا عمل نہیں ہے۔ اگر یہ کارِ خیر اور کارِ ثواب ہوتا تو سب سے پہلے سلف صالحین مناتے؛ لیکن اُن کا میلاد نہ منانا اس کا ثبوت ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ (مدخل، ج:۱،ص:۳۶۱)

مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں: بالفرض اگر آں حضور ﷺ اس دنیا میں زندہ ہوتے اور یہ مجلس منعقد ہوتی تو آیا وہ اس پر راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند فرماتے تو اس سلسلے میں بندے کا یقین یہ ہے کہ وہ ہرگز اسے قبول نہ فرماتے۔ (دفتر اوّل مکتوب، ص:۱۷۳)

علامہ نصیر الدین الاودی الشافعی علیہ الرحمہ سے کسی نے سوال کیا کہ میلاد منانا کیسا ہے؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا: محفل میلاد نہ منائی جائے؛ کیوں کہ سلف صالحین نے اختیار نہیں کیا ہم اسے کیسے اختیار کرلیں۔ (القول المعتمد)

علامہ شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض امیر لوگ ہر سال محفل میلاد مناتے ہیں، اس میں بہت سے ناجائز تکلّفات پائے جاتے ہیں اور یہ محفل نفس پرستوں کی ایجاد کی ہوئی ہے جن کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ حضور ﷺ نے کس چیز کا حکم دیا اور کس چیز سے منع کیا؟ اِس لیے یہ بدعت ہے۔ (القول المعتمد)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مروّجہ میلاد اور اس میں مروّجہ قیام محدثہ، ممنوعہ ہیں، جو ناجائز اور بدعت ہیں۔ (عزیز الفتاوی:۹۹)

قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ محفل چونکہ زمانۂ فخر دوعالم ﷺ میں اور زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور زمانۂ تابعین وتبع تابعین اور زمانۂ مجتہدین میں نہیں ہوئی، اِس محفل کا موجد چھ سو سال بعد کا ایک بادشاہ ہے جس کو اکثر اہل تاریخ فاسق لکھتے ہیں؛ لہٰذا یہ مجلس بدعت اور گمراہی ہے۔ عدم جواز کے واسطے یہ دلیل کافی ہے کہ قرونِ خیر میں اس کو کسی نے نہیں کیا۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص:۴۰۹)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: موجودہ مروّجہ میلاد ہمارے نزدیک ناجائز اور بدعت ہے۔ (امداد المفتین، ص:۷۹)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ذکر ولادتِ نبوی شریف ﷺ مثل دیگر اذکارِ خیر کے ثواب اور افضل ہے اگر بدعات وقبائح سے خالی ہو۔ اس سے بہتر کیا ہے کما قال الشاعر:

وذکرك للمشتاق خیر شراب ☆ وکل شراب دونہ کسراب

البتہ جیسا ہمارے زمانے میں قیودات اور شنائع کے ساتھ مروّج ہے اس طرح بے شک بدعت ہے۔ (امداد الفتاویٰ، ج:۵، ص:۲۴۹)

سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میلاد منانا کسی کے لیے بھی جائز نہیں؛ اِس لیے کہ یہ بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ، صحابہ اور تابعین سے ثابت نہیں۔ (فتاویٰ عبداللہ بن باز، ج:۱،ص:۲۶)

ایک اور جگہ شیخؒ رقم طراز ہیں: عید منانا خواہ حضور ﷺ کی پیدائش پر ہو یا کسی اور کی پیدائش پر ناجائز ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ نے اِس طریقے پر عید نہیں منائی اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ عید منائی ہے، سلف امت کا بھی یہی فیصلہ رہا ہے اور خیر اُن کی اتباع میں مضمر ہے۔

مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: مروّجہ میلاد حرام ہے؛ اِس لیے کہ یہ میلاد معاصی ظاہرہ وباطنہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں محرمات کا ارتکاب ہوتا ہے موضوع روایات پڑھی جاتی ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی ہے اور سب سے بڑی غلطی یہ کہ آں حضرت ﷺ کو عالم الغیب مانا جاتا ہے اور یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ آں حضرت ﷺ اس محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں ان تمام امور کی وجہ سے اس محفل کا انعقاد حرام ہے۔

تمام علما، ائمہ، محدثین، مفسرین اور مفتیان کا اس پر اتفاق ہے کہ عید میلاد النبیؐ منانا ناجائز اور بدعت ہے۔

عید میلاد النبیؐ کے منانے والوں پر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو اکثر ایسے افراد ملیں گے جو دین سے ناواقف اور احکام شریعت سے ناآشنا ہوتے ہیں؛ لیکن جوں جوں ربیع الاوّل کا مہینہ قریب آتا ہے ان افراد میں جوش وخروش پیدا ہوتا جاتا ہے اور یہ عید میلاد النبیؐ منانے کی تیاری شروع کردیتے ہیں۔ اس کو اپنے تمام گناہوں کا کفارہ گردانتے ہیں۔ ان مجالس میں جن منکرات کا ارتکاب ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔

یہ تھی عید میلاد النبیؐ کی حقیقت اور مروّجہ میلاد کی مجالس کے منکرات کہ اس بے دینی کو دین کہا جارہا ہے اور اسے اسلام اور مسلمانوں کے نام سے پیش کیا جارہا ہے اور سادہ لوح عوام بھی پوچھے بغیر اس کو کرنے میں مصروف ہیں اور ان مجالس کے لیے زر کثیر صرف کررہے ہیں۔

خدارا! خواب غفلت سے بیدار ہوجائیے اور ان ظاہری دل آویزیوں پر نہ جائیے، ان خرافات کی ظاہری چمک دمک دیکھ کر دھوکے میں نہ آئیے۔ ان بدبختانہ عقائد سے اپنا دامن چھڑائیے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا عہد کیجئے، پھر آپ یہ کہہ سکیں گے کہ ہم ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں اور فلاح وکامیابی ہمارا مقدر ہے۔

اگر اس کے برعکس عمل کیا تو یاد رکھئے کہ زندگی ایک کتاب کی مانند ہے، ہر روز اس کتاب کا ایک صفحہ پلٹتا ہے اور پورے دن کی کارروائی اس پر محفوظ ہوجاتی ہے جب زندگی کی اس کتاب کے صفحات ختم ہوں گے تو آپ کے اعمال کی یہ کتاب بند ہوجائے گی اور آپ کو قبر میں اتارا جائے گا جہاں بیٹا ہوگا نہ بیوی، بھائی نہ بہن، والد نہ والدہ۔ وہاں آپ اکیلے ہوں گے جہاں آپ کا خاندان آپ کے کام نہیں آئے گا، آپ کے ساتھی کام نہ آئیں گے، اگر وہاں کوئی چیز فائدہ دے سکتی ہے تو وہ آپ کے نیک اعمال ہوں گے۔ اس سے ایک قدم آگے میدان حشر میں آپ کو جواب دہ ہونا ہوگا۔ یہی کتاب اگر آپ کو دائیں ہاتھ میں ملی تو کامیاب خدانخواستہ اگر یہ کتاب بائیں ہاتھ میں ملی تو خسارہ ہی خسارہ۔

ایسے وقت کے آنے سے پہلے اپنے کیے پر نادم ہوکر توبہ کیجئے اور آیندہ کے لیے حق کو حق کہیے اور حق کا ساتھ دیجئے۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ. (۴۰/۱۷)

❁ ❁ ❁

ایک تحقیقی کتاب

حسن صحیح فی جامع الترمذی / دراسة وتطبیق

طلبۂ علم حدیث اور فضلاء کرام کو یہ جان کر بے حد خوشی ہوگی کہ ''شیخ الہند اکیڈمی'' اور ''مکتبہ دارالعلوم دیوبند'' کے زیر اہتمام اپنے موضوع پر انوکھی کتاب ''حسن صحیح'' تین جلدوں میں طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے۔

ترمذی شریف کی اصطلاحات ''حسن''، ''حسن غریب'' اور ''حسن صحیح'' وغیرہ شروع سے اہل علم کے درمیان موضوع بحث اور معرکۃ الآراء رہی ہیں ضرورت تھی کہ ان اصطلاحوں پر بھرپور طریقہ سے بحث وتحقیق کرکے کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد کیا جائے۔

الحمدللہ مادر علمی دارالعلوم کے اہم شعبہ ''تخصص فی الحدیث'' کے ذریعہ یہ کام اکابر اساتذہ کی نگرانی میں انجام پایا ہے، اس سلسلہ کی کتابیں ''الحدیث الحسن'' اور ''حسن غریب'' پہلے ہی شائع ہوکر علمی حلقوں میں مقبول ہوچکی ہیں، یہ تیسری اور سب سے اہم کڑی اب پیش خدمت ہے امید کہ حدیث شریف سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ وفضلاء اسے جلد از جلد حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

عام قیمت:=/700 روپے مکمل تین جلدیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم بالمقابل جامع رشید، دیوبند

بابارتن اوران کے حالاتِ زندگی

از: مولانا عبیداللہ فاروق بارہ بنکی
مدرسہ جامعہ عربیہ ضیاء العلوم، بارہ بنکی

محدثین اور مورخین کے نزدیک یہ طے شدہ بات ہے کہ سب سے آخری صحابی حضرت ''ابوالطفیل عامر بن واثلہ'' رضی اللہ عنہ ہیں، جن کی وفات دوسری صدی کے بالکل اوائل میں ہوئی۔ آپ کے انتقال کے بعد روئے زمین حضرت محمد ﷺ کے صحبت یافتہ حضرات سے یکسر محروم ہوگئی۔ لیکن چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ایک ہندنژاد شخص نے اپنے آپ کو صحابی رسولؐ بتا کر ایک اچھا خاصا بھونچال کھڑا کردیا۔ یہ شخص ''رتن سنگھ ہندی'' ہیں جو ہندوستان میں ''بابارتن'' اور ''ہندوستانی صحابی'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

بابارتن کی زندگی کے تمام گوشوں میں شدید انکار وتوثیق کی عجیب وغریب ''کش مکش'' پائی جاتی ہے؛ مگر سب سے زیادہ اختلاف آپ کی ''صحابیت'' کے بارے میں ہے۔ یہ اختلاف اُسی زمانے کے مقتدر علماء میں تھا اور بعد کے علماء نے اپنے ذوق ومذاق کے اعتبار سے طعن وتشنیع اور تائید وتوثیق کی ہے۔

ہندوستانی علماء میں علامہ مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا عبدالصمد صارم الازہری کی اردو تحریریں بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ اگرچہ علامہ گیلانی کا فیصلہ سکوت پر مبنی ہے مگر بابارتن کی صحابیت کے انکار کرنے والوں کی دبے انداز میں طرفداری کی ہے، جبکہ مولانا عبدالصمد صارم صاحب نے تائید وتوثیق کرنے والوں کا کھل کر ساتھ دیا ہے۔ ذیل میں ''بابارتن'' کے حالات علماء کے اختلاف کے ساتھ درج کیے جارہے ہیں۔

آپ کی پیدائش آپ کے آبائی وطن میں ہوئی مگر آبائی وطن کون ہے؟ اس میں شدید اختلاف ہے۔ مولانا گیلانی نے ''بھنڈہ'' نامی گاؤں کو مانا ہے جو ''سندھ'' اور دہلی کے راستے میں واقع ہے، لیکن مولانا عبدالصمد صارم لکھتے ہیں کہ ''آپ موضع ترمذی'' قصبہ 'ریڑھ'' ضلع ''بجنور''

کے رہنے والے تھے، وہ ہندوؤں کی ایک قوم کے چوہان تھے، اس خاندان کا ایک ''گوت تسیرا'' تھا آپ اسی خاندان سے ہیں'' (رسالہ جہان کتب، ص:۲۴، مارچ ۲۰۰۸ء)

دونوں بزرگوں نے اپنے قول کو ہر طرح سے مدلّل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کا کہنا ہے کہ ہم ان کے آبائی وطن (جو دونوں کے نزدیک محقق ہے) گئے، وہاں کے لوگوں سے معلوم کیا، لوگوں نے اس کی تصدیق کی۔ ان حضرات کی جو بھی تحقیق ہے وہ ان کی ذہانت، دوررسی اور بالغ نظری پر دال ہے جو یہاں اختصار کے پیش نظر بیان نہیں کی جارہی ہیں۔ پھر ان حضرات کا آپ کی تاریخ وفات اور ''مدفن'' میں بھی اختلاف ہے، علامہ گیلانی نے ''باباصاحب'' کی تاریخ وفات ۶۳۲ھ اور قبر ''بھنڈہ'' میں بتائی ہے جیسا کہ آئین اکبری میں ہے کہ ''درہفت صد سال ہجری فروشد وہمانجا آسود'' مگر مولانا عبدالصمد صارم کا کہنا ہے کہ ''بھنڈہ'' میں فروکش ہونے والے شخص بابارتن نہیں بلکہ ''حاجی رتن'' ہیں، جو خواجہ ''معین الدین اجمیری'' کے مُرید تھے ''ابوالفضل کو یہاں التباس ہوگیا ہے'' پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''بابارتن'' ''حاجی رتن'' اور ''گوگا پیر'' جو حاجی صاحب کے مرید تھے، یہ تینوں شخصیتیں جدا جدا ہیں لوگوں نے حالات میں خلط ملط کر کے گوگا پیر، اور حاجی صاحب کو ایک بنادیا پھر حاجی رتن اور ''بابارتن'' کے مابین فرق مٹادیا، پھر اپنی تحقیق کو تاریخی اور مذہبی کتابوں کے حوالوں سے مؤید کرتے ہوئے اس کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں ''کہ گوگا پیر کے حالات مختلف کتابوں، مختلف مقامات، قدیم زبانی روایتوں اور گیتوں سے اخذ کیا، تو مجھے پتہ چلا کہ ''بابارتن'' اور ''حاجی رتن'' دو جداگانہ شخصیتیں ہیں۔

اگر مولانا کی تحقیق صحیح ہے تو آپ کی تاریخ وفات اور ''مدفن'' کے بارے میں آپ کی رائے معتبر ہوگی۔ (جہان کتب، ص:۲۴-۲۵) جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

بہرکیف: آپ ہندوستانی باشندے ہیں قصبہ ''جیور'' ضلع ''علی گڑھ'' کی حکومت کے وزیر تھے ایک دن موسم گرما کی رات میں چھت پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک انھوں نے دیکھا کہ چاند کے دوٹکڑے ہوگئے، چاند کا ایک حصہ مشرق میں ایک مغرب میں منقسم ہوگیا، اندھیرا چھا گیا پھر تھوڑی دیر بعد دونوں اس طرح مل گئے، جیسے اس میں شگاف ہی نہ ہوا ہو، آپ کو حیرت ہوئی اس کی تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ حجاز میں ''نبی آخرالزماں'' نے کفّارِ مکہ کے مطالبے پر یہ معجزہ دکھلایا ہے۔ ملاقات کی غرض سے ملک حجاز کے لیے عازمِ سفر ہوئے اور تحفے میں املی اپنے ساتھ لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے۔ (ملخص

حضرت رتن سنگھ)

''بابا رتن'' نے اپنے اسلام لانے کے بارے میں آپ سے ملاقات کرنے والے ''داؤد بن سعد قفال سنجروی'' جو ایک نیک طینت اور صالح آدمی ہیں، سے بیان کیا کہ ''میں ابتدا میں بت پرست تھا، ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں ملک ''شام'' میں ہوں، لہٰذا میں نئے مذہب کی تلاش میں ملک ''شام'' گیا، وہاں عیسائیت کا بول بالا تھا، میں نے عیسائیت قبول کرلی، کچھ عرصے کے بعد میں نے رسول اللہ -ﷺ- کے بارے میں سنا اور ''مدینہ منورہ'' جاکر مشرف باسلام ہوا، حضور ﷺ نے میرے لیے درازیٔ عمر کی دعا کی، میں آپ کے ساتھ یومِ خندق میں شریک تھا، پھر اجازت لے کر وطن واپس آگیا۔ (ایک ہندوستانی صحابی، ص:۲۵)

وطن آنے کے بعد آپ نے کون کون سے کام انجام دیئے؟ اور آپ کا انتقال کب ہوا؟ اس کے بارے میں مولانا عبدالصمد صارم صاحب رقم طراز ہیں کہ ''ایک عرصے تک مدینہ شریف میں رہے اور پھر وطن چلے آئے اور موضع ''کھاڑی''، متصل ''اعظم پور باسٹہ''، ضلع ''مرادآباد'' (یوپی) میں سکونت اختیار کی اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہوگئے۔ انھوں نے ۶۲۵ھ میں وفات پائی اس موضع میں ان کا مزار زیارت گاہِ خلائق ہے۔'' (جہانِ کتب)

جب آپ نے اپنے بارے میں صحابیٔ رسول ہونے کا دعویٰ کیا تو لوگوں میں عجیب وغریب چرچے ہونے لگے کچھ لوگ عقیدت ومحبت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور کچھ لوگوں نے ان کی برائی بیان کرنا شروع کی۔ تاجروں، سیاحوں اور مُریدوں نے اس بات کو ''مشرق'' سے ''مغرب'' تک پہنچادیا رفتہ رفتہ یہ بات محدثین، نُقاد، ماہرین علوم اور اربابِ علم وفضل کی مجلسوں میں موضوعِ بحث بن گئی۔ شیدائیانِ حدیث نے اندلس، یوروپ اور دور دراز ملکوں کا سفر کرکے مشکلات ومصائب سفر برداشت کرکے ''بابا رتن'' کا دیدار کیا ان کے احوال وکوائف سے باخبر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ جن حضرات نے ان کو دیکھ کر براہِ راست ان کی زبانی احوال سنے ہیں اور حدیثوں کا سماع کیا ہے ان میں سے چند حضرات یہ ہیں: (۱) ابومروان اندلسی، (۲) علی بن محمد خراسانی، (۳) حسین بن محمد (۴) داؤد بن قفال سنجوری (۵) عبدالوہاب بن اسماعیل صوفی (۶) محمد عجمی (۷) ابوبکر مقدسی (۸) ہمام الدین شہر قندی اور موسیٰ بن مجلی صوفی۔

ان حضرات سے بہت سی احادیث مروی ہیں جن کی تعداد چار سو سے بھی متجاوز ہیں انہیں میں سے ''رتنیات ثابتات'' ہیں، جن کی تعداد ۴۰ ہیں۔ دراصل احادیث رتنیات کا اکثر حصہ بابا

کے حالات زندگی پر، اور کچھ احادیث رسولؐ پر مشتمل ہے، جن کا ذکر یہاں پر مقصود نہیں ہے۔ البتہ علامہ گیلانی نے بڑی جفاکشی اور حسن اسلوبی سے ''حالات پر مشتمل احادیث'' کے مضمون کا خلاصہ کیا ہے جو یہاں ''من وعن'' پیش خدمت ہے۔

(۱) ''رتن ایک ہندوستانی آدمی تھا، وہ نسلاً بت پرست تھا، (۲) اس کی عمر خلافِ عادت بہت زیادہ دراز ہوئی (۳) پہلے عیسائی ہوا، (۴) پھر مسلمان ہوا (۵) آں حضرت ﷺ کی صحبت سے نوازا گیا (۶) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی میں ''مدینہ'' میں موجود تھا وہاں ناچا بھی، گایا بھی، (۷) غازی تھا، جنگ خندق کے علاوہ یہودیوں کے خلاف بعض جہاد میں شریک تھا، (۸) تمام صحابہ میں اس کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ اس نے آں حضرت ﷺ کو اپنی گود میں اٹھایا شاید یہ شرف کسی کو حاصل نہیں (۹) حضور ﷺ کے سامنے اس نے املی کا تحفہ پیش کیا (۱۰) حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس کو کھجوریں دیں، اپنے دست مبارک سے اس کی پیٹھ ٹھونکی، درازیٔ عمر کی دعا دی (ماخوذ: ایک ہندوستانی صحابی، ص: ۳۵) پھر حالات پر مشتمل روایات کے راویوں پر تبصرہ کیا ہے؛ تاکہ روایات کا ضعف؛ بل کہ ان کا وضع کھل کر سامنے آجائے۔

علامہ موصوف نقد کرتے ہوئے فیصلہ سناتے ہیں کہ ''بابارتن'' کی روایات ''ہمام الدین شہرقندی''، اور ''موسیٰ بن مجلی صوفی'' سے زیادہ تر ہیں، صرف تین سو احادیث کا راوی ''موسیٰ بن مجلّی'' ہے جن میں وہ چالیس احادیث جو ''رتنیات ثابتات'' سے موسوم ہیں، ان میں شامل ہیں، اس صوفی کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے: کہ "وأظَنُّ أنَّ هٰذِهِ الخُرافاتِ مِنْ وَضْعِ هٰذَا الجَاهِلِ "موسیٰ بن مُجَلّی" (اصابہ، ص: ۱۹۰) میرا گمان ہے کہ ''بابارتن'' کی طرف جو حدیثیں واہیات منسوب ہیں، وہ اس جاہل گنوار کی ہیں۔ (ایک ہندوستانی صحابی، ص: ۳۵)

حق بات یہ ہے کہ ''بابارتن'' سے روایت کردہ وہ احادیث جو ان کے احوال وکوائف پر مشتمل ہیں وہ اتنی متضاد ہیں کہ اُن سے کوئی بات اخذ نہیں کی جاسکتی؛ اسی وجہ سے آپ کی عمر کی تعیین نہیں ہوسکی اسی تضاد اور اختلاف کی وجہ سے آپ سے صحابیت سے ہم دردی جتلانے والے ''مولانا عبدالصمد صارم'' بھی تضاد بیانی سے پریشان ہوکر یہ کہنے پر مجبور ہیں ''کہ ان کے متعلق جو ایک چند روایات ہیں، ان میں بے حد تضاد ہے اور تاریخ اعتبار سے کوئی بھی صحیح بات ثابت معلوم نہیں ہوتی، ان تمام روایات کا مرکز ''موسیٰ بن مجلّی صوفی'' ہے جس کے بارے میں امام ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ روایات اس جاہل کی وضع کردہ ہیں۔'' (جہان کتب: ۲۵) اور ہمام الدین شہرقندی

اکثر ''ماہرین اسمائے رجال'' کے یہاں ضعیف ہے۔

بابارتن کی وہ روایات جو احادیث رسولؐ پر مبنی ہیں، ان کے بابت علماء محدثین کا خیال ہے کہ وہ موضوع ہیں اِنھیں علماء محدثین کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے علامہ گیلانی فیصلہ سناتے ہیں کہ اُس نے آپ ﷺ کی حدیثیں بھی روایت کی، جن میں اکثر صراحتاً موضوع اور مختلق ہیں'' (ایک ہندوستانی صحابی، ص: ۳۵)

بابارتن کی تمام تر روایات علامہ ذہبی نے ایک جزو میں جمع کردی ہیں اور حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ''اصابہ میں بھی بعض نقل کی ہیں اسی طرح کچھ احادیث کو علامہ گیلانی نے اپنی کتاب ایک ہندوستانی صحابی'' میں درج کیا ہے۔ وہاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

بابارتن کا سب سے زیادہ اختلافی گوشہ ان کی صحابیت کا ہے۔ یہاں بالتفصیل ان کی صحابیت کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ ''بابارتن'' کے ''دعویٰ صحابیت'' کے سلسلے میں علماء کا شدید اختلاف ہے، کچھ لوگوں نے انھیں صحابی ہونا تسلیم کیا ہے، تو کچھ لوگوں نے اپنی غیرت اسلامی، حمیت ایمانی اور تقدس صحابہ کو پیش رکھ کر انکار کیا ہے اور ان کو لاغی، کذاب، اور دجّال تک کہا ہے۔ یہ سلسلہ ساتویں صدی سے اب تک چلا آرہا ہے اور لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کو جگہ دی ہے۔

''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ بابا صاحب کی صحابیت کا سب سے پہلے انکار کرنے والے حافظ شمس الدین ذہبی ہیں۔ علامہ موصوف نے اپنی کتاب ''میزان'' میں اس مسئلہ کو بڑی بسط وتفصیل سے لکھا ہے؛ بلکہ انھوں نے ان کی صحابیت کی تردید میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ''کِسرُ وثن رتن'' رتن نامی بت کی شکستگی ہے جس میں وہ خوب خوب برسے ہیں اور عجیب وغریب تردیدی کلمات استعمال کیے۔

کذاب، دجّال، جھوٹا، فریبی، بڈھا، شیطان بشکل انسان سب کچھ کہہ ڈالا بلکہ رتن صاحب سے اتنے زیادہ نالاں ہیں کہ انھوں نے اپنے رسالے ''کِسرُ وَثنِ رتن'' کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، سبحانك هذا بُهتَانٌ عظیمٌ اور خاتمے میں فرماتے ہیں فما ذا بعد الحق إلا الضلال پھر لکھا ہے کہ اگر رتن ہندی واقعی شخص ہے تو پھر یہ شیطان ہے جو انسانی صورت میں ظاہر ہوا درازیٔ عمر اور صحبت نبوی کا دعویٰ کیا تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے (کسروثن رتن بحوالہ ایک ہندوستانی صحابی) ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ''اس گمراہ بڈھے نے لوگوں کو گمراہ کرکے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالیا (حوالہ مذکورہ) علامہ ذہبی رتن ہندی کے بارے میں

ایک نادر خیال کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''زنادقہ نے ایک فرضی نام رکھ کر اس کی طرف سے حدیثیں منسوب کردی ہیں'' (حضرت، رتن سنگھ)

علامہ موصوف نے جو کچھ لکھا یا کہا ہے اور ان کے بارے میں جو ان کا خیال ہے وہ سب ایسے ہی نہیں ہے بلکہ انھوں نے حدیث اور تاریخی حقائق کو سامنے رکھ کر کہی ہیں، کیوں کہ سات سو سال (۷۰۰) تک کسی صحابی کا زندہ رہنا قطعی طور پر مستبعد ہے؛ اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''أرئیتُم لیلتّکُم ھٰذہٖ فإنّہٗ علٰی رأس مِأۃ سَنۃٍ لا یبقٰی علی وجہ الأرض مِمَّنْ ھُو الیَوم عَلیھا أحدٌ'' (ابن ماجہ) کہ تم لوگ اس رات کو دیکھ رہے ہو ایک صدی بعد تم میں سے کوئی بھی سطح زمین پر باقی نہیں رہے گا۔

پھر تاریخی حوالوں سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ ساتویں صدی میں ہندوستان میں مسلمان فاتح بن کر آئے اور یہاں کی حکومت ان کے زیر قیادت رہی، انھوں نے علم وعمل کی قندیلیں روشن کیں؛ جن سے افادہ استفادہ کی راہیں ہم وار ہوئیں، بابا اگر واقعی صحابی تھے تو یہ حضرات ان سے ملاقاتیں کرتے مگر تاریخ اس سے خاموش ہے بالخصوص: غزنی خاندان علم اور اہل علم کا دلدادہ تھا مگر ان کے زمانے میں بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔

چوتھی صدی میں محمود سبکتگین نے ہندوستان پر لگاتار حملے کیے اور ملک میں گھسے مگر ان کے متعلق کوئی خبر نہیں ملی، مہدی، منصور، مامون الرشید، ہارون الرشید وغیرہ کے ہندوستان سے اچھے روابط تھے اگر بابا صاحب کا وجود ہوتا تو ضرور ان لوگوں کو اس کی اطلاع ملتی۔ الغرض: یہ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے حافظ ذہبی بابا پر سخت نالاں ہیں؛ لیکن علامہ ذہبی کے خاص تلمیذ علامہ صفدی نے اپنی مشہور تاریخی کتاب ''الوافی الوفیات'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی طرف سے ان کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے، البتہ آخر میں حافظ ذہبی کے نقد وتبصرہ کو مختصر الفاظ میں نقل کیا ہے جس سے ان کی رائے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بعد کے علماء میں حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ مجد الدین فیروز آبادی، شیخ علاء الدین اشرف سمنانی کچھوی، خواجہ محمد پارسا وغیرہ نے بھی ''بابا رتن'' کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ آئین اکبری میں ابوالفضل لکھتے ہیں کہ: ''ابن حجر عسقلانی، مجد الدین فیروز آبادی، شیخ علاؤ الدین سمنانی، خواجہ محمد پارسا از ونیکو پذیرند وستائش گردند'' آئین اکبری کی یہ عبارت ''بابا رتن'' کو صحابی ماننے والوں کے لیے سب سے بڑی دلیل ہے، اسی عبارت کو مولانا صارم صاحبؒ نے معیارِ سند

بنا کر علامہ گیلانی کی تحقیق کو ناقابل سماعت قرار دیا ہے؛ چنانچہ وہ اپنے مقالے ''حضرت رتن سنگھ صحابی'' میں رقم طراز ہیں ''ہندوستانی علماء میں رتن پر سب سے پہلے لکھنے والے مناظر احسن گیلانی نے ایک مضمون لکھا مگر انھوں نے تحقیق کی زحمت گوارا نہ کی، علامہ ذہبی پر بھروسہ کرتے ہوئے انہیں سب کچھ لکھ گئے حالانکہ رتن ایسے نہ تھے جیسا کہ ذہبی نے بیان کیا ہے، رتن کو بڑے بڑے لوگوں نے ثقہ صحابی مانا ہے، ذہبی کے ہم عصر علامہ صفدی نے ان روایات وعقائد کی تردید کی ہے۔ (حضرت رتن سنگھ صحابی) ایک جگہ تو ذہبیؒ کو آڑے ہاتھوں لیا ہے، تبصرہ ملاحظہ ہو کہ ''رتن ہندوستانی شخص تھے ان کے متعلق تحقیقات ہندوستان میں ہونی چاہئے تھی، لوگوں کی بیان کردہ روایات پر بغیر تحقیقات کیے، مناسب نہ تھا کہ انھیں دجّال، کذّاب لکھا جائے پھر انھیں سے ہمدردی بھی جتلاتے ہیں کہ ''ذہبی کیا کرتے ان کا ہندوستان سے تعلق کیا تھا؟'' (حوالہ مذکورہ) (نوٹ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صارم صاحب نے صفدی کی کتاب الوافی الوفیات کا مطالعہ کئے بغیر اپنے ذہنی تاثرات کو ان کی جانب منسوب کردیا ہے ''ازمرتب'')

مذکورہ بالا سطور سے معلوم ہوگیا کہ مولانا عبدالصمد صارم رتن صاحب کو صحابی ماننے میں ابوالفضل کی عبارت کو حرف آخر تسلیم کرتے ہیں اور ذہبی جیسے پائے کے محقق کی تحقیق کو غیر معتبر مانتے ہیں؛ بلکہ ان کا یہ فیصلہ ہے ''کہ وہ ثقہ صحابی ہے''۔

دوسری طرف علامہ گیلانی کو ابوالفضل کی صداقت وعدالت پر شک ہے، انھوں نے اپنے رسالے میں ابوالفضل کے بارے میں لکھا ہے کہ ''افسوس ہے کہ اس روایت کو بیان کرنے والا اکبر کے دربار کا منشی ہے جس پر صداقت پروری سے زیادہ کذب فروشی کا گمان ہے، خصوصاً جب ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ابوالفضل فن تاریخ سے بالکل کورا تھا'' (ایک ہندوستانی صحابی: ۳۸)

اس سلسلے میں ایک اور ہندوستان کے عالم مولانا نجم الغنی صاحب رامپوری ہیں جنھوں نے ابوالفضل کی اس عبارت کا بالتفصیل جواب دیا ہے، وہ اپنی کتاب ''تعلیم الایمان'' شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ شیخ علاؤالدین، شیخ رضی الدین، یا خواجہ محمد پارسا نے اس کے دعویٰ (صحابیت) کو تسلیم کیا ہے، ان بزرگوں کا قبول کرلینا قابل حجت نہیں ہے، اگرچہ یہ لوگ صاحب کرامات، وعابد، ومتقی تھے مگر احوالِ رجال میں ان کو معرفت نہ تھی اور انھوں نے یہ دعوی نہیں کیا ہے کہ ہم کو روح پاک ﷺ سے معلوم ہوا ہے کہ رتن اپنے قول میں سچا ہے، اور نہ ابن حجر اور فیروز آبادی کا مان لینا محققین کے جم غفیر کے انکار کے سامنے قابل سند ہے، تمام علماے حدیث نے اِس کی احادیث کو

رد کر دیا ہے اور کبھی کسی واقعہ کے متعلق حدیث وسیرت کی کتابوں میں اس کا ذکر کسی حدیث یا قصے میں نہیں ہے۔ (تعلیم الایمان، ص:۳۱۲)

خیر یہاں پر ''بابا رتن ہندی'' کے حالاتِ زندگی اور ان کی صحابیت پر علماء کی آراء واختلاف ان کے دلائل سمیت ختم ہوئے۔ علماء کے انکار وتردید یا تائید وتوثیق سے فیصلہ کن بات سامنے نہیں آئی؛ اس لیے کوئی فیصلہ کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس سلسلے میں علامہ گیلانی کا فیصلہ کہ ''ناظرین خود غور کرلیں کہ وجوہات کس کے قوی ہیں اور اس علمی معرکہ میں کھیت کس کے ہاتھ میں ہے'' بالکل بجا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم چند معروضات پیش کی جارہی ہیں جن کی روشنی میں زیر بحث مسئلہ کی تنقیح ہوسکتی ہے۔

(۱) اگر آپ واقعی صحابی ہیں؛ تو علماء اسمائے رجال نے آپ کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیوں نہیں کیا؟ جبکہ ہندی تابعین وتبع تابعین کے احوال اور اُن کے کارناموں کے نقوش اسمائے رجال کی کتابوں میں ثبت ہیں۔ کیا یہ کہا جائے، کہ یہ تعصب پر مبنی ہے؟

(۲) آخری صحابی حضرت ابوالطفیلؓ ہیں جن کی وفات دوسری صدی کے بالکل اوائل میں ہوئی، تو سوال یہ ہے کہ صحابہ اگر رتن کو صحابی جانتے تو صحابہ کرامؓ وتابعین سے بیان کرتے اور تابعین حضرت ابوالطفیلؓ کو آخری صحابی نہ سمجھتے۔

(۳) آپ کا یہ کہنا ''کہ میں حضرت فاطمہؓ کی شادی میں موجود تھا'' یہاں یہ سوال پیدا کررہا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی شادی کے موقع پر کیا ایک لمبا چوڑا شادی کا پروگرام تھا کہ شرکت کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے کوئی ''بابا'' صاحب کو پہچان نہ سکا اور ان کا نام سیر وحدیث میں جگہ نہ بنا سکا؟

(۴) ''بابا صاحب'' کی غزوۂ احزاب، اور دوسرے غزوات میں شرکت ہوئی، پھر ان کی شرکت کا ثبوت سیر وتاریخ میں نہیں ملتا۔ ایسا کیوں؟

(۵) آخری زمانے میں نبی اکرمؐ کے پاس غیر ملکی وفد بکثرت آتے تھے آپ، ان کو تعلیم دیتے تھے وہ واپس جاکر اپنے یہاں تعلیم وتبلیغ کی قندیلیں روشن کرتے تھے، تاریخ ہند بابا صاحب کی ایسی تحریکی تگ ودَو سے ناواقف کیوں ہے؟ پھر عرب وہند کے مابین اقتصادی لائن سے اچھے روابط تھے اور صحابہ باہر سے آنے والے لوگوں کا اکرام کرتے اور ان سے ان کے ملکی احوال معلوم کرتے پھر حدیث کے تحت ان کو بیان فرماتے تھے سوال یہ ہے کہ صحابہ سے ''ان کو بتائی جانے والی

تعلیم‘‘ اوران کی حاضری پردۂ خفا میں کیوں رہ گئی؟

(۶) ’’واپسی کے بعد، ایک پیپل کے درخت پر جا کر بیٹھ گئے اور صدیوں بیٹھے رہے۔‘‘ دل میں کھٹکتی بات یہ ہے کہ سات صدی تک آدمی کیسے بیٹھا رہے گا جبکہ انسان کے لئے حرکت، آرام، نیند، تھکاوٹ، آپسی میل ملاپ اور اشیائے خوردونوش وغیرہ انتہائی ناگزیر ہیں، ان کے بغیر ’’بابا‘‘ کیسے زندہ رہ گئے؟ علاوہ ازیں ہندوستان بہت سے مذاہب کا گہوارہ ہے یہاں کی بعض قومیں ’’پیپل‘‘ کے پرستار ہیں، اور پھر بزرگوں اور ان کی نادرالوجود چیزوں سے عقیدت ومحبت اور ان جگہوں پر حاضری دینا ہندوستانیوں کا ہمیشہ کا شیوہ رہا ہے، ’’کیا پیپل کی عدم تعیین‘‘ پرستارانِ درخت یا ’عقیدت مندوں‘‘ کی جہالت پر مبنی ہے؟

(۷) ’’زمین پر سو سال تک زندہ رہنے والی حدیث‘‘ کی استثنائی صورت کسی ’’دوسری حدیث‘‘ یا ’’قولِ صحابی‘‘ سے ہی تسلیم ہوگی۔

(۸) سلاطین ہند کا ’’بابا رتن‘‘ سے چشم پوشی کرنا بعید از قیاس ہے۔

(۹) بابا صاحب کی وہ روایات جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہیں تمام علماء حدیث حتیٰ کہ خود مولانا صارم کے نزدیک بھی مختلق اور موضوع ہیں؟ اس طرح کا واقعہ صرف بابا کے ساتھ پیش آیا یہ تو ایک نادرالوجود چیز ہے جو ’’بابا‘‘ کے ساتھ ہیں پیش آئی، کیا اس سے ’’بابا‘‘ کی صحابیت شک کے دائرے میں نہیں آتی؟

الغرض: اس طرح کی چند اور بنیادی باتیں ہیں جو ان کے دعوائے صحابیت کو مخدوش بنادیتی ہیں اور محقق ذہبی کے فیصلہ کی تائید وتوثیق کرتی ہیں۔

❁ ❁ ❁

میرے قابل احترام اساتذۂ کرام

(۵)

مدینہ منورہ میں قیام...اور مدینہ یونیورسٹی میں میرے اساتذہ

از: مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

یہ ۱۹۶۲ء کی ایک صبح تھی، میں دارالعلوم دیوبند میں اپنی درسگاہ میں بیٹھا ہوا درس دے رہا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تعلیمات کا ایک چپراسی ناظم تعلیمات حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کی جانب سے ایک حکم لے کر آیا کہ ساتھ میں دی گئی عربی تحریر کا اردو ترجمہ کر کے دے دیا جائے۔

میں نے دیکھا تو وہ سعودی سفارت خانے کی طرف سے ایک خط تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم ہوئی ہے، دارالعلوم دیوبند سے کسی کا انتخاب کر کے بھیجیں، ترجمہ کر کے تعلیمات کو بھیج دیا گیا۔

دوپہر کے کھانے پر میں نے والد صاحب حضرت قاری جلیل الرحمٰن عثمانی سے اس کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ...تم بھی اپنی درخواست بھیج دو۔

اس واقعہ سے تھوڑے دن پہلے کی بات ہے...والد صاحب کسی کام سے کتب خانہ محمودیہ میں آئے...دوران گفتگو اچانک ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا...کیا تم حج کو جانا چاہتے ہو، میں نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا، گفتگو کے موضوع سے اس جملہ کا کوئی تعلق نہ تھا، میں نے پوچھا تو کہنے لگے ''بس یوں ہی خیال سا آ گیا تھا''۔

مجھے اپنے انتخاب کی امید نہ تھی، بس تعمیل حکم میں درخواست بھیج دی...تعلیم کے آخری سال ''دورۂ حدیث'' کے نمبروں کے حساب سے انتخاب میرا ہو گیا...اور یوں اس مرد فقیر (والد محترم) کا خیال، خیال سے آگے بڑھ کر واقعہ بننے لگا۔

آب زمزم کی برکت

ان ہی دنوں پاؤں پر شدید ورم تھا، والد صاحب کے ساتھ حکیم محفوظ علی صاحب کو (جو کہ

دیوبند کے پرانے اور حاذق حکیم تھے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے عزیز قریب اور پڑوسی تھے) دکھانے کے لئے گیا، انھوں نے دیکھ کر بڑی تشویش ظاہر کی اور بتایا کہ یہ ''فیل پا'' کی بیماری کا آغاز ہے پاؤں پھول کر ہاتھی جیسے ہوجاتے ہیں، اس لئے اس بیماری کو فیل پا (ہاتھی کا پاؤں) کہا جاتا ہے۔ پھول کر کھال پھٹنے لگتی ہے، زخم ہوجاتے ہیں اور آدمی چلنے پھرنے سے معذور ہوجاتا ہے۔ سفر کی بات آئی تو انھوں نے کہا میں اس کا مشورہ نہ دوں گا، بیماری کا آغاز ہوچکا ہے، علاج اور دیکھ بھال کی شدید ضرورت ہے۔

میں نے آب دیدہ ہوکر کہا... آخر انجام موت ہوسکتا ہے، موت ہی آنی ہے، تو اس سے اچھی موت کون سی ہوگی کہ ارض مدینہ میسر آجائے گا۔ پاسپورٹ سے لے کر ڈاکٹری سرٹیفکیٹ تک کتنے کتنے مرحلے آئے، بہرحال وہ طے ہوتے گئے اور دس بارہ دن کے اندر اندر ظہران، ظہران سے جدہ اور جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ میں چند روز قیام رہا۔ شیخ محمد سلیم صاحب اس وقت مدرسہ کے مہتمم تھے۔ اس زمانے میں تبلیغی جماعت کا مرکز بھی یہی ہوتا تھا... ایک بڑے سے ہال میں کھانا رہنا، سونا سب ہوتا تھا، پانی کی اس زمانے میں اتنی فراوانی نہ تھی، جتنی ماشاء اللہ اب ہے... ایک ریال میں ایک بالٹی ملتی تھی۔

عمرہ کیا، آب زمزم خوب جی بھر کے پیا جاتا تھا، سنا تھا زمزم شریف میں شفا ہے، سنی سنائی بات چشم دید بن گئی، کچھ دن میں ہی فیل پا کی تکلیف جاتی رہی۔

توکل کا مزا

مدینہ طیبہ پہنچے، یونیورسٹی میں جا کر انٹرویو دیا، بھائی رشید الوحیدی صاحب ساتھ تھے، ان کا اور میرا داخلہ ''القسم العالی'' میں ہوگیا... رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہوچکا تھا، جیب بالکل خالی تھی، کچھ لوگوں نے بتایا کہ یونیورسٹی کی اسکالرشپ ایڈوانس بھی مل جاتی ہے، پتہ نہیں کیوں کہنے کو دل نہ مانا، کھانے کے لئے پیسے نہ تھے... مگر ہوتا یہ تھا کہ مسجد نبوی ﷺ میں درس کے بعد آجاتے تھے اور کوئی نہ کوئی دعوت کرنے والا مل جاتا تھا، دیوبند کے مولانا انعام کریم صاحب مدینہ طیبہ میں تھے، ان کی وجہ سے بھی بڑا سہارا مل جاتا تھا، سحری اکثر ان کے ساتھ ہوجاتی تھی۔ غرض پورا مہینہ بغیر پیسوں کے بھی آرام سے گذر گیا، کچھ وہاں کی پاکیزہ فضا کا اثر تھا کہ کوئی فکر نہ ہوتی تھی، توکل کا مزا وہیں رہ کر آیا۔

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی صاحب کی خدمت میں

مدینہ طیبہ کے قیام میں ایک بہت بڑی نعمت یہ حاصل ہوئی کہ حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب کی خدمت میں رہنے کا موقعہ مل گیا، مولانا بدر عالم صاحب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے، نہایت بلند علمی ذوق رکھتے تھے، فیض الباری عربی زبان میں مولانا بدر عالم صاحب کی مشہور تالیف ہے، جو علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ترجمان السنہ احادیث کا ایک بہترین مجموعہ ہے اس پر مولانا کی نادر و نایاب تشریحات... جن لوگوں کو اس کے مطالعہ کا موقعہ ملا ہے وہ اس میں مولانا کی علمی بصیرت کے جوہر دیکھ سکتے ہیں۔

علمی مقام کے علاوہ مولانا صاحب باطن بھی تھے۔ پہلے ان کا تربیتی تعلق میرے دادا حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سے رہا... ان کے وصال کے بعد دادا صاحب کے جانشین حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی سے تعلق ہوا اور ان کے جانشین بنے۔ مدینہ طیبہ حاضری سے پہلے ہی میں نے مولانا کو بچپن ہی میں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ دیوبند ہمارے گھر تشریف لائے، ہمارے گھر نماز کے چبوترے پر وضو کرتے ہوئے ایک نہایت حسین و جمیل شخصیت کا خاکہ میرے ذہن میں تھا۔

جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو جاتے ہوئے اس قسم کے خیالات ذہن میں تھے کہ میاں ہوں گے کوئی مولانا وولانا... یعنی یہ خیال تھا کہ ہمارے وہاں رہتے ہوئے کہیں مولانا نے روک ٹوک کی تو ہمیں ان کی کوئی زیادہ پروا نہیں ہے، لیکن یہ عجیب بات ہوئی کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر جب مسجد نبوی ﷺ میں حاضری ہوئی تو میرے شوق کا عالم یہ تھا کہ روضۂ اقدس پر حاضری سے پہلے میں مولانا کی خدمت میں جانا چاہتا تھا اور دل کہتا تھا کہ جلدی سے مولانا کی خدمت میں پہنچ جاؤں... مولوی اور مسٹر کے درمیان کچھ اپنا ہی الگ انداز... ٹوپی کی مناسبت سے سر کے بال ذرا بڑھے ہوئے اور ان کی تراش ایسی کہ نہ انگریزی معلوم ہوں اور نہ انگریزیت سے باہر ہوں... غرض نوعمری کا وقت لاابالی پن اور دماغ میں آزاد خیالی... اس حلیہ میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر جاتے رہے ایک دن ایسا ہوا کہ اس لباس اور بالوں کی وضع قطع سے بڑی وحشت معلوم ہونے لگی، دل چاہتا تھا کہ کپڑے اتار کر ابھی پھینک دوں، ان بالوں کو نوچ ڈالوں اور مدینہ طیبہ کا عربی لباس پہنوں۔ اکثر مولانا کی خدمت میں عصر کے بعد حاضری ہوتی تھی۔ اس دن بڑی بے تابی

کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، جیب میں پیسے ویسے کچھ نہیں تھے... مسجد نبوی ﷺ کے قریب ہی بمبئی کے عبداللہ صاحب ریڈی میڈ کپڑوں کی دوکان کرتے تھے، ان سے جا کر صورت حال بتائی کہ پیسے تو اس وقت میرے پاس ہیں نہیں اور دل چاہ رہا ہے کہ ابھی اسی وقت عربی لباس پہنا جائے... انھوں نے بڑی شفقت اور محبت سے ہمیں کپڑے دیئے اور کہا کہ کوئی بات نہیں جب پیسے ہوں گے دے دینا۔ ہم جلدی سے نائی کی دوکان پر پہنچے... سر منڈوایا اور نہا دھو کر عربی لباس پہنا اور معمول کے خلاف عشاء کے قریب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا دیکھ کر کھل اٹھے... معذور ہو گئے تھے، بستر پر لیٹے رہتے تھے، اسی حالت میں ہاتھ بڑھا کر سینے سے لگایا، آب دیدہ ہو کر پیشانی چومی اور فرمانے لگے اس وقت کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا، مجھے اتنے اچھے لگ رہے ہو کہ اجازت ہوتی تو تمہاری تصویر کھینچ کر اپنے پاس رکھ لیتا۔

یہ دراصل ہمارے ذہنی انقلاب کا نقطۂ آغاز تھا جو بالکل اس شعر کی تعبیر تھا۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مولانا بلاشبہ مردِ مومن ہی نہیں بلکہ مومن کامل اور ولی کامل تھے، جتنا عرصہ ان کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی وہ میری زندگی کا سب سے سنہرا دور تھا۔ ان کا انداز تربیت ہی بڑا نرالا تھا، ہلکی سی بات میں دل و دماغ کی دنیا الٹ کر رکھ دیتے تھے، ذوق ان کا بڑا نفیس اور پاکیزہ تھا... ایک روز فرمانے لگے کہ جب میاں آفتاب (جو مولانا کے اکلوتے صاحبزادے ہیں) کی والدہ کا انتقال ہوا تو اس وقت میں جوان تھا، حضرت قاری اسحاق صاحب میرٹھی نے کئی بار مشورہ دیا کہ شادی کرلو۔ جب حضرت نے کئی بار فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت بات یہ ہے کہ میاں آفتاب کی والدہ کو میں نے اتنے برسوں میں سکھایا تھا کہ چائے کی پیالی طشتری میں کیسے رکھتے ہیں، اب میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ نئی آنے والی کو طشتری میں پیالی رکھنا سکھا سکوں۔ مولانا کے کمرے میں بہت صاف ستھرا قالین بچھا ہوا تھا۔ شام کے وقت تمام حاضرین کو خوبصورت صاف ستھرے بنجانوں میں عربی چائے پیش کی جاتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ چائے پینے والے چائے پی کر فنجان قالین پر رکھ دیتے تھے۔ میں اس معاملے میں بڑی احتیاط کرتا تھا، کبھی خالی فنجان قالین کے اوپر نہیں رکھتا تھا۔ مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ مولانا میری اس بات کو نوٹ کرتے ہیں، مگر ایک دن ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ میرا یہ انداز اُنہیں بہت پسند ہے۔

بات انداز تربیت کی چل رہی تھی... ایک روز فرمانے لگے ''حنفی مسلک کا سب سے مشکل

مسئلہ کون سا ہے، جس کو ثابت کرنا حنفیوں کے لئے بڑا دشوار ہوتا ہے...؟ ہم نے تیر تکے لڑا کر فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اس طرح کے مسائل بتانے شروع کئے... فرمایا نہیں! حنفی مسلک کا سب سے مشکل مسئلہ وتر کا ہے جس کو ثابت کرنے میں حنفیوں کو دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔ یہ فرما کر حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی عربی کتاب ''کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر'' مجھے دی اور فرمایا کہ اس کا غور سے مطالعہ کرے آنا۔

حیا آنکھ کی ہوتی ہے یا علم کی

ایک مرتبہ مولانا نے ناچیز سے سوال کیا... ہلال میاں یہ بتاؤں کہ حیا کا تعلق علم سے ہے یا نظر سے...؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ حیا کا تعلق نظر سے ہے... میرے کپڑوں کے نیچے میرے اعضاء کا مجھے بھی علم ہے اور آپ کو بھی، پھر بھی ہم کپڑوں سے بدن کو ڈھکتے ہیں اسلئے نہیں کہ ہمیں علم نہیں ہے کہ کپڑوں کے نیچے کیا ہے؛ بلکہ اس لئے کہ حیا آنکھ کی اور نظر کی ہے...اس طرح چھوٹی چھوٹی گفتگو سے مولانا ذہن کے گوشے کھولتے رہتے تھے۔

جواہر الحکم کی ترتیب

حضرت مولانا اس زمانے میں ''جواہر الحکم'' کے نام سے احادیث کا ایک عام فہم مجموعہ مرتب فرمارہے تھے، جواب تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے...مولانا صاحب فراش تھے اور لکھنے پڑھنے سے معذور ہو چکے تھے، جواہر الحکم کی ترتیب اور تحریر میں مولانا نے مجھے کام کرنے کا حکم دیا۔ میری عربی تحریر صاف ستھری تھی، کیوں کہ میں نے باقاعدہ کتابت سیکھی تھی...مولانا میری تحریر دیکھ کر بہت مسرور ہوئے، پہلے حدیث کا عربی متن مجھ سے لکھوا لیتے تھے اور ترجمہ اور تشریح بولتے رہتے تھے اور میں لکھتا رہتا تھا...اسی زمانے میں میں نے دیکھا کہ مولانا علم حدیث میں کیسی گہری نظر رکھتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں کوئی حدیث تلاش کرنی ہوتی تھی تو ہمیں اس کے ڈھونڈنے میں دیر لگ جاتی تھی، مگر مولانا ہاتھ سے ٹٹول کر اوراق کا اندازہ کر کے بتادیتے تھے کہ دیکھو فلاں حدیث یہاں ہوگی اور اکثر وہیں یا ایک آدھ ورق آگے پیچھے مل جاتی تھی۔

اسی زمانہ میں ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا کہ مولانا بیمار تھے ہی، ان کی علالت نے شدت اختیار کرلی اور حالت ایسی ہوگئی کہ جیسے بس چند لمحوں کے مہمان ہوں...اسی حالت میں اشارے

سے مجھے اپنے قریب بلایا اور کان کے پاس منھ لے جا کر فرمایا کہ فلاں حدیث فلاں جگہ لکھ لو۔

چند روز بعد اللہ نے حالت بہتر کردی... میں نے ادب سے عرض کیا کہ اس روز جب آپ کی حالت کافی نازک تھی آپ نے مجھے بلا کر یہ بات ارشاد فرمائی تو اس موقعہ پر یہ بات کہنے کی وجہ کیا ہوسکتی ہے...؟ مولانا نے فرمایا کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا سے رخصت ہونے کا وقت شاید بہت نزدیک ہے تو میں چاہتا تھا کہ حدیث کی خدمت کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہوتا تاکہ صاحب حدیث کی شفاعت نصیب ہوسکے... مولانا کے اس جواب سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی روح کس طرح عشق نبوی ﷺ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اسی زمانے میں ایک روز ایسا ہوا کہ مسجد نبوی ﷺ کے خدام روضہ شریف کی خاک پاک لے کر مولانا کی خدمت میں آئے تو مولانا نے اشارہ کیا کہ مجھے سہارا لگا کر بٹھادو اور بڑے ادب کے ساتھ اس خاک پاک کو دونوں ہاتھوں سے سنبھالتے ہوئے با چشم نم فرمایا ''میں نہیں جاسکتا تو وہ خاک پاک بھیج دیتے ہیں''۔

ایک مرتبہ بڑی غیر معمولی بات ارشاد فرمائی جس کی عام طور پر ظاہر کرنے کی مولانا کی عادت نہ تھی... فرمایا کہ جب میں صحت مند تھا اور چلتا پھرتا تھا تو ایک روز مسجد نبوی ﷺ میں ستون سے ٹیک لگائے ہوئے درود شریف پڑھ رہا تھا تو میرے منھ میں کسی نے کوئی چیز ٹپکائی اس کی مٹھاس اور خوشبو کی میں کوئی مثال نہیں دے سکتا، عجیب وغریب شیرینی اور دلنواز خوشبو تھی، اس کا ذرا لقمہ جیسے اب بھی محسوس ہوتا ہے۔

ایک روز بڑی خاص کیفیت میں فرمانے لگے کہ میاں کیا سمجھتے ہو حضرت قاری صاحب مدینہ طیبہ تشریف لاکر بارگاہ نبوت سے میرے بارے میں سب کچھ طے کر کے گئے ہیں اور وہی سب پیش آرہا ہے۔ غرض یہ کہ مولانا کا وجود اور ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت میرے لئے سب سے سنہری موقعہ تھا۔

عربوں کی سادگی اور بے تکلفی اور ان کے بلند اخلاق

اب تک عربوں کی خصوصیات کے بارے میں جو کچھ پڑھا اور سنا تھا اب اپنی آنکھوں سے نظر آرہا تھا اور تجربہ ہو رہا تھا... عربوں میں عجیب طرح کی بیساختگی اور سادگی ہے، ملتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے نچھاور ہو جائیں گے... نہ کوئی بناوٹ ہوتی ہے نہ تصنع... بڑی بے تکلفی اور اپنائیت کا

احساس جیسے بہت پرانے ملنے والے ہوں۔ آپ کو محسوس بھی نہیں ہوگا کہ آپ اجنبی سے مل رہے ہیں۔ چہرے کے اتار چڑھاؤ سے، اچھے الفاظ سے خوشی کا اظہار اور پھر ان کے دعائیہ جملے ان لوگوں سے مل کر لطف آجاتا تھا۔

کئی بار ہم لوگ کسی گاؤں میں چلے جاتے تھے، وہاں بھی ہمارے علاقوں کی طرح چوپالیں بنی ہوتی تھیں، جس میں بہت سے لوگ جمع رہتے تھے... بڑھ کر ایسا استقبال کرتے تھے جیسے ہمارے آنے کے منتظر ہوں... اور پھر چائے اور کھانے سے تواضع ہوتی تھی، سخاوت کا سبق تو کوئی عربوں سے سیکھے، پیار سے کھلائیں گے کہ جیسے آپ کے نہ کھانے سے ان کا بڑا نقصان ہوجائے گا۔ بار بار تقاضہ کریں گے کہ بھائی یہ تو دیکھو اس کو تو چکھو... ذرا سی دیر میں اجنبیت کے پردے اٹھ جائیں گے اور آپ کو بے پناہ اپنائیت کا احساس ہوگا۔

عرب وعدے کے پابند

عرب لوگ وعدے کے کتنے پابند ہوتے ہیں اس کا ذاتی طور پر مجھے وہاں رہنے کے زمانے میں تجربہ ہوا... وہاں ایک ایجنٹ تھے جو طلبہ کے سفر وغیرہ کا انتظام کیا کرتے تھے، جب میں چھٹیوں میں آنے کے لئے ٹکٹ بنوانے لگا تو میرے پاس تین سو ریال کم تھے۔ میں نے اس ایجنٹ سے (جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا) کہا کہ میرے پاس اتنے ریال کم ہیں، اگر آپ مجھے دیدیں تو میں آنے کے بعد واپس کردوں گا... انھوں نے کہا کہ اس وقت تو میرے پاس نہیں ہیں لیکن اگر کوئی انتظام ہوگیا تو میں تمہیں ضرور دے دوں گا... میں نے کسی دوسری جگہ سے انتظام کرلیا اور آنے کے لئے جدہ ایئرپورٹ پر پہنچا... اس وقت جدہ ایئرپورٹ شہر کے اندر تھا اور اتنا وسیع نہ تھا جتنا اب ہے اور نہ اتنی قانونی پابندیاں تھیں... میں جہاز میں سوار ہونے کے لئے اندر داخل ہو ہی رہا تھا کہ مجھے کسی کے پکارنے کی آواز آئی۔ دیکھا کہ وہ ایجنٹ بھاگے چلے آرہے ہیں... قریب آکر مجھے تین سو ریال دینے لگے۔ میں نے کہا اب تو انتظام کرلیا ہے، اب ضرورت نہیں مگر انھوں نے اصرار کیا کہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، اب تم ان پیسوں کو رکھ لو، میں نے کہا میں اب ہندوستان جارہا ہوں، میرے وہاں کس کام آئیں گے، تو وہ دوڑ کر گئے اور ریال کو ہندوستانی کرنسی میں بدلوا کر جلدی سے واپس آگئے۔ مجھے مجبوراً وہ پیسے رکھنے پڑے... اندازہ لگائیے کہ یہ کردار کہیں جلدی سے دیکھنے کو ملتا ہے...؟

مدینے والوں کی نرم روی

مدینہ طیبہ میں رہنے والوں کے دل بہت نرم ہیں... اگر کچھ لوگ لڑ رہے ہوں اور آپ ان کے سامنے جا کر کہہ دیں ''صل علی محمد'' وہ ساری لڑائی بھول جائیں گے اور زبانوں پر درود جاری ہو جائے گا... ان کے دلوں میں جیسے محبت کے دریا بہتے ہیں۔ مجھے لیوپولڈ ویس یعنی علامہ محمد اسعد کا وہ جملہ یاد آتا ہے جو انھوں نے اپنی کتاب ''روڈ ٹو مکہ'' میں مدینہ طیبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ مدینہ محبت کا شہر ہے، یہاں محبت بارش کی طرح برستی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول مقبول ﷺ کا مسکن یہ پیارا شہر اپنی خصوصیات کے اعتبار سے دنیا میں نرالا ہے... آپ وہاں رہ کر ایسا محسوس کریں گے جیسے آپ بچے ہوں اور اپنی ماں کی گود میں ہیں... اتنے نرم دل اور جلدی اعتبار کرنے والے لوگ ہیں کہ ہر شخص پر اپنے بھائی کی طرح بھروسہ کر لیتے ہیں، کیوں کہ خود صاف دل ہیں اس لئے دوسروں کو بھی اپنی طرح ہی سمجھتے ہیں۔

مدینے کے لوگوں کی انکساری

ہم نے مدینہ طیبہ کے لوگوں کی انکساری کا یہ عالم دیکھا کہ یونیورسٹی کے اساتذہ اگر اپنی کار میں جا رہے ہیں اور انھوں نے آپ کو پیدل جاتے ہوئے دیکھ لیا تو فوراً آپ کے قریب لا کر گاڑی روکیں گے اور آپ کو بیٹھنے کی دعوت دیں گے... ان میں بالکل کوئی احساس برتری نہیں ہوگا کہ ہم استاذ ہیں یہ شاگرد ہیں، یا ہم بڑے ہیں یہ چھوٹے ہیں... سلام کرنے میں پہل کریں گے اور شفقت و محبت کا معاملہ کریں گے۔

یہ ہمارے سامنے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ شاہ فیصل یونیورسٹی میں آئے... تفسیر کے استاذ شیخ محمد امین شنقیطی درس دے رہے تھے... قریب میں ایک پرانی سی کرسی پڑی ہوئی تھی جو بوّاب یعنی چپراسی کے لئے تھی... شاہ فیصل نے اسی کرسی کو آگے کیا اور شیخ کے قریب بیٹھ گئے۔ اصرار کے باوجود دوسری اچھی کرسی پر نہیں بیٹھے اور کافی دیر تک انہماک کے ساتھ شیخ کی تقریر سنتے رہے۔

شیخ شنقیطی

شیخ شنقیطی کا ذکر آیا ہے تو دل چاہتا ہے کہ چند باتیں ان کے بارے میں عرض کر دی

جائیں۔شیخ شنقیطی مالکی مسلک کے تھے،تفسیر وقرآن کا بہت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے،اسلوب قرآن کے تعلق سے ہزاروں اشعار ادب جاہلیت کے ان کو حفظ تھے،شعر پہ شعر پڑھتے چلے جاتے تھے اور اسلوب قرآن اور اس کے انداز بیان کی اس طرح وضاحت کرتے تھے کہ قرآن کے معانی اور مطالب نکھر کر سامنے آجاتے تھے...شیخ پرانی وضع قطع کے علماء میں سے تھے لیکن نہایت روشن فکر تھے...اکثر کہا کرتے تھے کہ ہمارے علماء دین بصیرت کے ساتھ جب تک سائنسی علوم حاصل نہیں کریں گے اور ہمارے نوجوان جدید علوم سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے اس وقت تک فکری غلبہ حاصل نہ ہوسکے گا، کیوں کہ اس وقت یورپ کے افکار دنیا میں چھائے ہوئے ہیں اور ان کا جواب ان کی زبان میں دینا ہوگا...بڑے خوش مزاج اور مشفق استاذ تھے...افسوس ہے کہ ایسے عالم سے عالم عرب بلکہ عالم اسلام محروم ہوچکا ہے۔

شیخ ناصرالدین البانی رحمۃ اللہ علیہ

یونیورسٹی کے اساتذہ میں ایک بڑے ممتاز استاذ شیخ ناصرالدین البانی تھے...سبل السلام کا درس انہیں کے پاس تھا...اب تو وہ اپنی تصانیف کے ذریعے عالمی شہرت حاصل کرچکے ہیں۔وہ کہا کرتے تھے کہ میں پہلے حنفی تھا اور اب حنفی مسلک کو خیرآباد کہہ چکا ہوں...اس میں شک نہیں کہ بڑے قابل اور وسیع المطالعہ عالم دین تھے۔لیکن امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ان کی تنقید میں بڑی جارحیت تھی جو علمی تنقید کی حدود سے باہر ہوجاتی تھی...ایک مرتبہ کرسی پر بیٹھے درس دیتے ہوئے پاؤں پر پاؤں رکھے ہوئے بیٹھے تھے اور کتاب ان کے پاؤں پر رکھی ہوئی تھی...میں کھڑا ہوگیا اور کہا کہ ادب سکھانے والے کو خود باادب ہونا چاہئے، کتاب آپ کے پاؤں پر رکھی ہے...شیخ نے انکساری کے ساتھ عفواً کہہ کر معذرت کی...یہ بھی ان کی وسعت ظرفی کی بات تھی۔

شیخ عطیہ سالم رحمۃ اللہ علیہ

یونیورسٹی میں عربی ادب کے استاذ شیخ عطیہ سالم تھے...بڑے مستعد، بیدار مغز اور طلباء کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنے والے...دیکھنے میں بڑے وجیہ اور دراز قد، سنہری کمانی کا چشمہ لگائے ہوئے...زبان بڑی سلیس اور صاف تھی اور ان کے درس میں طلباء بڑے شوق کے ساتھ شرکت کرتے تھے...افسوس ہے کہ کچھ عرصہ پہلے ان کا انتقال ہوچکا ہے۔

عبدالمحسن العباد رحمۃ اللہ علیہ

یونیورسٹی میں ایک استاذ منکسر المزاج با اخلاق عبدالمحسن العباد تھے...عربی بہت جلدی جلدی بولتے تھے...لہجہ ایسا تھا کہ الفاظ سمجھنے میں مشکل پڑتی تھی، مگر آدمی قابل اور ذی استعداد تھے۔

شیخ العبودی رحمۃ اللہ علیہ

یونیورسٹی کے رجسٹرار یعنی مسجّل تھے...بڑے بیدار مغز اور وسیع المعلومات اور روشن فکر ہیں الحمدللہ حیات ہیں اور اکثر ملکوں کا سفر کرتے رہتے ہیں۔ کچھ سال پہلے اسلام آباد ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے گیا تو معلوم ہوا کہ عبودی صاحب آئے ہوئے ہیں۔فوراً کار لے کر ان کے ہوٹل کی طرف دوڑا مگر افسوس میرے پہنچنے سے پہلے جا چکے تھے...دل کو بڑا قلق ہوا کہ ملاقات کا موقعہ نہیں مل سکا۔

شیخ بن باز رحمۃ اللہ علیہ

یونیورسٹی کے نائب رئیس یعنی وائس چانسلر اس زمانے میں شیخ عبدالعزیز بن باز تھے...شیخ بصارت سے محروم تھے، مگر صاحب بصیرت تھے، بڑا وسیع علم رکھتے تھے اور جچی تلی بات کیا کرتے تھے...''نعم'' ان کا تکیہ کلام تھا، ہر جملہ پر یہ لفظ نکلتا رہتا تھا...ہم لوگ کبھی طالب علمانہ انداز میں شیخ سے الجھ جاتے تھے مگر شیخ بڑے تحمل سے جواب دیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ عصر کی نماز انھوں نے جامعہ کی مسجد میں پڑھائی اور بھولے سے دو رکعتیں پڑھا کر قبلے کی طرف پشت کر کے عصر کی تسبیحات پڑھنے لگے، کسی نے یاد دلایا تو اسی پر بنا کر کے عصر کی چار رکعتیں پوری کرلیں۔نماز کے بعد میں نے شیخ سے اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے مشہور حدیث جس کو حدیث ذوالیدین کہا جاتا تھا اس کا حوالہ دیا...یہ حدیث اس طرح سے ہے کہ ایک صحابی تھے جن کا لقب لمبے لمبے ہاتھ ہونے کی وجہ سے ذوالیدین (ہاتھوں والے) پڑ گیا تھا۔ایک مرتبہ نبی ﷺ نے چار رکعت والی کوئی نماز پڑھائی اور بھولے سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا، یہ صحابی جن کا لقب ذوالیدین تھا انھوں نے دریافت کیا "أقصرت الصلوٰة ام نسيت يا رسول الله"؟ کیا نماز اللہ کی طرف سے کم ہوئی ہے یا اللہ کے رسول آپ بھول گئے ہیں...؟ رسول پاک ﷺ نے باقی دو رکعتیں پوری فرمادیں، میں نے عرض کیا یہ تو ابتدائی دور کی بات ہے جب کہ نماز اپنی اس مکمل شکل تک نہیں پہنچی تھی۔شیخ نے کہا تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے...؟ غرض اس طرح کی علمی انداز کی بحثیں ہوتی

رہتی تھیں اور شیخ عقدہ کشائی فرماتے رہتے تھے... شیخ کے تعلق سے ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسی زمانے میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب پاکستان سے آئے ہوئے تھے تو شیخ بن باز نے ان سے سلسلہ حدیث کی سند حاصل کی۔

شیخ بن باز ۱۹۱۲ء میں ریاض میں پیدا ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی آنکھیں دُکھنے آگئیں جس کی وجہ سے آپ کی نگاہ کمزور ہوگئی اور ہوتے ہوتے ۱۹۳۱ء میں جب کہ آپ کی عمر بیس سال تھی پورے طور پر بینائی سے محروم ہوگئے۔

مگر بینائی سے محرومی ان کی تعلیم کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکی۔ نوعمری میں ہی آپ نے قرآن مجید حفظ کرلیا تھا... اور ستائیس سال کی عمر میں علوم شرعیہ سے فارغ ہوگئے تھے۔ فراغت کے بعد آپ کو ''خرج'' کے علاقے میں قاضی مقرر کردیا گیا۔

عدالت کی ذمہ داریوں کے باوجود آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۵۴ء میں شیخ بن باز خرج سے ریاض منتقل ہوگئے اور وہاں بھی آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا جب ۱۹۵۵ء میں ریاض میں ''کلیۃ الشریعۃ'' کا قیام عمل میں آیا تو شیخ بن باز وہاں درس دینے لگے۔ ۱۹۶۲ء میں آپ مدینہ یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے اور نو سال کے بعد آپ کو چانسلر بنادیا گیا۔ پانچ سال تک بن باز صاحب مدینہ یونیورسٹی کے چانسلر رہے۔

اسکے بعد آپ کو مملکۃ سعودیہ کا مفتی اعظم مقرر کیا گیا۔ آپ کی خصوصیت یہ رہی کہ آپ نے کسی کی پروا کیے بغیر ہمیشہ حق کے مطابق بات کہی، اسلئے آپ کے فتاویٰ انتہائی معتبر سمجھے جاتے تھے۔

بہ حیثیت ایک طالب علم کے حضرت شیخ بن باز کی زندگی کے مختلف گوشوں کا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ ان کے جذبات بڑے تعمیری تھے۔ عالم اسلام کے اتحاد کے ہمیشہ متمنی رہتے تھے۔ افسوس ہے عالم اسلام کا یہ مایہ ناز سپوت ۱۳ رمئی ۱۹۹۹ء کو طائف میں اہل علم کو یتیم کرکے دنیا سے رخصت ہوگیا۔ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں بعد نماز جمعہ ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور ''اُم القریٰ'' کے تاریخی قبرستان ''جنۃ المعلّٰی'' میں علم کے اس خزانے کو دفن کردیا گیا۔

مولانا مودودی مرحوم سے ملاقات

مدینہ طیبہ کے زمانے میں مولانا مودودی سے ملنے کا اتفاق ہوا مگر بڑے عجیب انداز سے۔ ہوا یہ کہ مغرب کی نماز کے لئے مسجد نبویؐ میں پہنچا تو نماز کھڑی ہوچکی تھی، حاجیوں کی آمد کا زمانہ

شروع ہو چکا تھا، اس لئے مسجد بھر جاتی تھی اور نماز کی صفیں باہر سڑک تک پہنچ جاتی تھیں۔ میں جب پہنچا تو باب مجیدی کے باہر صف میں جگہ ملی۔ میں نے دیکھا کہ میرے برابر میں ایک صاحب ململ کا کرتا اور اونچے باڑ کی بالوں والی ٹوپی پہنے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، میں نماز کے بعد ان کو دیکھتا رہا... میں نے کبھی نہ تو مولانا مودودی کو دیکھا تھا، نہ ان کی تصویر دیکھی تھی... میرے ذہن میں ان کا تصور کچھ ایسا تھا جیسے اس زمانے میں ہفت روزہ چٹان میں عطاء اللہ شاہ بخاری کی تصویر چھپا کرتی تھی... مگر اس روز ان صاحب کو اپنے برابر میں نماز پڑھتا دیکھ کر نہ جانے کیوں بار بار یہ خیال ہوتا رہا کہ کہیں یہ مولانا مودودی تو نہیں ہیں۔ نماز کے بعد بھائی رشید الوحیدی مل گئے، میں نے ان سے کہا کہ مجھے لگتا ہے مولانا مودودی آئے ہوئے ہیں اور پھر میں نے ان کو یہ بات سنائی۔ اس وقت مدینے میں مسجد نبوی کے قریب بس دو ہی ہوٹل ہوا کرتے تھے، جس میں زیادہ مشہور ''قصر المدینہ'' تھا... بھائی رشید کہنے لگے ان دونوں ہوٹلوں میں دیکھ لیتے ہیں پتہ لگ جائے گا۔ مسجد کے بالکل سامنے قصر المدینہ تھا، ہم لوگ پہلے وہیں پہنچے اور کاؤنٹر پر جا کر معلوم کیا تو پتہ لگا کہ مولانا مودودی فلاں کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں، ہم لوگ اس کمرے میں پہنچے اور مولانا سے ملاقات کی، تعارف ہوا، تو دیوبند اور چچا عامر عثمانی کے حوالے سے مولانا بہت خوش ہوئے، ہم نے ان سے کہا کہ یونیورسٹی کے بارے میں جو مضامین ہم نے پڑھے تھے اور جو تعارف ہمارے سامنے آیا تھا وہ معیاری تھا، لیکن یہاں وہ علمی رنگ اور وہ وسعت جو ہمارے خیال میں تھی نظر نہیں آئی۔ مولانا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جب یونیورسٹی قائم ہو رہی تھی تو شاہ سعود نے مجھ سے اس کا خاکہ تیار کرنے کے لئے کہا تھا، میں نے جو نقشہ تیار کیا تھا وہ ایک عالمی یونیورسٹی کا تھا، لیکن شاہ کی مجبوری یہ ہے کہ وہ ملکی علماء کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور پھر انھوں نے ایک رسالہ ''المسلمون'' جنیوا سے شائع ہوتا تھا وہ ہمیں دیا کہ آپ اس کو پڑھیں، اس میں یونیورسٹی کا وہ خاکہ اور پوری تفصیلات موجود ہیں۔ اس کے ساتھ انھوں نے کہا کہ آپ اس کو غنیمت سمجھیں کہ آپ کو اس بہانے مدینہ طیبہ میں قیام کی سعادت حاصل ہوگئی ہے... بہر حال یہ ملاقات جو عجیب انداز میں ہوئی تھی، بڑے خوش گوار ماحول میں ختم ہوئی۔

قیام مدینہ کا ایک حیرت انگیز واقعہ

قیام مدینہ کے زمانے میں ایک بڑا حیرت انگیز واقعہ میرے ساتھ پیش آیا... ہوا یہ کہ کچھ

حساب کتاب کی وجہ سے یونیورسٹی کی اسکالرشپ کئی مہینے تک کسی کو نہیں مل سکی... ہمارے پاس تھوڑے سے پیسے تھے جو جلد ہی ختم ہو گئے۔ جس دن آخری ریال ہمارے پاس تھا تو یہ سوچ کر کھانا کھانے کے لئے گئے اور اکثر ہم ''مطعم پاکستان'' کے نام سے مسجد نبوی کے سامنے ایک ہوٹل تھا اسی میں کھانا کھایا کرتے تھے، جس کے مالک بڑے لمبے چوڑے کالے رنگ کے تھے، مگر خوش اخلاق تھے اور کھانا بھی ان کے یہاں اچھا ملتا تھا، اس زمانے میں دس قرش میں ایک پلیٹ سالن کی آجاتی تھی اور چار قرش کی موٹی سی روٹی جس کو ''عیش'' کہتے تھے مل جاتی تھی۔ اس طرح چودہ قرش میں آرام سے پیٹ بھر جاتا تھا اور ایک ریال میں بیس قرش ہوتے تھے... اس دن ہم نے باقی چھ قرش کی بڑی سی گلاب جامن بھی کھائی اور آخری ریال ہوٹل والے کے حوالے کرنے کے لئے چلنے ہی والے تھے کہ ہوٹل کے مالک نے کہا آپ کافی دنوں سے ہمارے یہاں کھانا کھاتے ہیں، حساب کیوں نہیں کھول لیتے...؟ میں نے کہا بھائی آج کل پیسے نہیں مل رہے ہیں اور معلوم نہیں کب ملیں گے، پھر آپ تقاضہ کریں گے، ہوٹل کے مالک نے کہا کہ جب پیسے آئیں گے دے دینا، تقاضا نہیں کروں گا اور یہ کہہ کر کاپی اس نے میرے سامنے رکھ دی کہ جاتے ہوئے اس صفحہ پر اپنا حساب لکھتے جایا کریں۔ آج یہ بڑی عجیب بات تھی، اتنے دنوں سے ہم اس کے یہاں کھانا کھاتے تھے اور نقد پیسے ادا کر دیتے تھے، آج ادھار پر اصرار ان کی طرف سے ہو رہا تھا اور ہم بچ رہے تھے۔ جب انھوں نے کئی بار اصرار کیا تو ہم نے یہی سمجھا کہ یہ دراصل اللہ کی طرف سے شہر رسول ﷺ میں ہماری مہمانی کا انتظام ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم ان کے شہر میں ہوں اور بھوکے رہ جائیں، اللہ کا شکر ادا کر کے کھانا کھاتے رہے، جب پیسے آئے تو ہوٹل والے کو ادا کر دیئے۔

ایک بات جو وہاں کے لوگوں میں ہم نے دیکھی وہ ہے ایک دوسرے پر اعتماد اور حسن ظن کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ہم نے کاپی پر حساب لکھا ہو اور ہوٹل مالک نے اس کو چیک کیا ہو کہ غلط تو نہیں لکھ گئے۔ مدینے کی فضاؤں میں یہ باہمی اعتماد اتنی بڑی نعمت ہے جو وہاں کے معاشرے کو پاکیزگی سے ہم کنار کرتی ہے۔

وہاں بعض دوکانیں ایسی ہیں کہ ان میں ہر مال پانچ ریال یا دس ریال میں ملتا تھا... آپ بیگ لے کر جو سامان پسند آئے اس میں ڈالتے چلے گئے، واپسی میں دوکان دار کو بتا دیجئے کہ کتنے عدد ہیں، اس کے مطابق وہ پیسہ لے لے گا، کبھی یہ نہیں کہے گا کہ دکھاؤ نا اتنے ہی ہیں زیادہ تو نہیں۔ اس باہمی اعتماد سے عجیب سی یگانگت اور محبت پیدا ہوتی ہے... اس لئے علامہ اسعد

(لیو پونڈ ویس) نے بالکل ٹھیک کہا کہ یہ محبت کا شہر ہے۔

جدہ ریڈیو پر

اسی زمانے میں ہم نے مدینہ یونیورسٹی پر ایک چھوٹی سے کتاب لکھی اور اس کو چھپوایا۔ ہندوستان میں بھی اور سعودی عرب میں بھی اس کے بڑے چرچے رہے۔ جدہ ریڈیو سے شام کو اردو کا پروگرام آیا کرتا تھا، اس میں کئی بار اس کتاب کے بارے میں بڑا اچھا پروگرام نشر کیا گیا، پہلے جدہ ریڈیو پر اردو پروگرام کے ڈائرکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی تھے جو بعد میں ام القریٰ یونیورسٹی میں چلے گئے اور آج کل ندوۃ العلماء لکھنو ﷺ کے ''معتمد تعلیم'' بھی ہیں...ان کی جگہ پر نثار احمد ندوی اردو پروگرام میں آ گئے تھے، ہمارے بھی بہت سے پروگرام مختلف موضوعات پر جدہ ریڈیو سے نشر ہوتے رہتے تھے...اس وقت ریڈیو اسٹیشن کسی بڑی عمارت میں نہیں تھا، شہر کے اندر ہی تھا۔ کیوں کہ سعودی عرب کی ترقیات اس وقت شروع ہی ہوئی تھیں...نثار صاحب کو ہمارا انداز پسند آیا تھا، انھوں نے کہا کہ آپ ریڈیو پر آ جائیں، مجھے امید ہے کہ آپ کو آسانی سے لے لیا جائے گا۔ ہم نے کہا کہ تعلیم سے فارغ ہولیں تو پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔

مدینہ یونیورسٹی پر ہم نے جو چھوٹی سی کتاب لکھی تھی وہ یونیورسٹی میں بھی پسند کی گئی... ہندو پاک کے جو لوگ یونیورسٹی دیکھنے آتے تھے ان کو اردو کا یہ پمفلٹ یونیورسٹی کی طرف سے دے دیا جاتا تھا۔ یونیورسٹی نے ہم کو اس پر چھ سو ریال کا انعام بھی عطا کیا...مگر ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ جس کی وجہ سے ہم نے نقد انعام کے بجائے اس کی کتابیں لینی پسند کیں...ہوا یہ کہ جب یہ انعام ہمارے لئے منظور ہوا تو ہم شیخ بن باز کے کمرے میں ان سے ملنے کے لئے اور ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے گئے جیسا کہ بتایا گیا کہ شیخ نابینا تھے، جب ہم ان کے کمرے میں داخل ہونے لگے تو ایک صاحب جو مسلکاً اہل حدیث تھے، دروازے کی طرف پشت کئے ہوئے شیخ کے سامنے بیٹھے تھے اور ہمارے بارے میں شیخ کو الٹی سیدھی پٹی پڑھانے کی کوشش کر رہے تھے...ہم دروازہ کھول کر اندر جانے لگے تو چوں کہ ان کی پشت دروازے کی طرف تھی، انہیں ہمارے آنے کا پتہ نہیں لگا اور ان کے کچھ جملے ہم نے سن لئے...ہمیں بڑا غصہ آیا اور شیخ کے سامنے ہی ان کی اچھی خاصی خبر لی، ہم نے شیخ سے کہا کہ غالباً یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے پیسوں کے لئے یہ کتاب لکھی ہے، آپ ہمیں نقد انعام کے بجائے کتابیں دیدیں تو زیادہ بہتر ہے۔

نجد کے لوگ زیادہ تر حنبلی ہیں اور تنگ ذہن نہیں ہیں... یونیورسٹی کا ماحول بڑا پرسکون اور پرامن رہتا تھا... کبھی کبھی بڑی دلچسپ اور لطیف انداز کی نوک جھونک بھی ہوجاتی تھی۔ ایک سال کے بعد جب ہم چھٹیوں میں ہندوستان آئے تو ہمیں شادی کے بندھن میں باندھ دیا گیا۔ ۱۵؍جولائی ۱۹۶۲ء کو ہماری شادی ہوئی اور اگست کے پہلے ہفتے میں چھٹیاں ختم ہونے پر واپس آنا پڑا رمضان المبارک کے مہینے میں ایک روز ایک صاحب نے بلیک بورڈ پر قرآن مجید کی یہ آیت خوش خط لکھ دی...: احل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم هن لباس لکم وانتم لباس لهن. (حلال کیا گیا ہے تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں لطف اندوز ہونا اپنی بیویوں سے وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو) کلاس عبدالمحسن العباد کی تھی... ہم نے احتجاج کیا کہ یہ آیت بلیک بورڈ پر لکھ کر ہمارے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے، کیوں کہ ہم اپنی بیویوں کے دور ہونے سے اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اس پر بہت ہنسی اور قہقہے ہوئے اور شیخ بھی اس سے لطف اندوز ہوئے۔

مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات

یوں تو ہم مولانا ابوالحسن علی ندوی کو اس زمانے سے جانتے تھے، جب وہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں شرکت کے لئے آیا کرتے تھے... اس وقت وہ نوجوان تھے اور ہم لوگ طالب علمی کی زندگی گذار رہے تھے... مولانا سے ملاقات کرکے ہم طلبار کو بڑا مزہ آیا کرتا تھا کیوں کہ مولانا ہمارے ساتھ بہت بے تکلفی سے پیش آتے تھے... قیام مدینہ کے زمانے میں مولانا کا حج کے لئے تشریف لانا ہوا تو یہیں ان کے ساتھ حج کرنے کی سعادت نصیب ہوئی... منیٰ میں ان کا اور ہمارا خیمہ برابر برابر تھا درمیان میں ایک جگہ نماز پڑھنے کے لئے اور نشست و برخاست کے لئے چھوڑی ہوئی تھی۔ ایک دن کا واقعہ ہے مولانا عصر کی نماز سے پہلے اس جگہ میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے، ہم بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اور ان کو لکھتا ہوا دیکھتے رہے، جب وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ چائے پئیں گے...؟ مولانا نے کہا کہ ہاں پلاؤ، تھکن معلوم ہورہی ہے۔ ہم باہر کے ہوٹل سے ان کے لئے چائے لے کر آئے، پرانی سی کیتلی تھی اور فنجان بھی کچھ زیادہ اچھے نہیں تھے، ابھی ہم نے چائے لاکر رکھی ہی تھی کہ اتنے میں مولانا کے میزبان جو غالباً سعودیہ کے ہی رہنے والے تھے بہت خوبصورت ٹرے میں نفیس قسم کے فنجان اور خوبصورت کیتلی کے ساتھ چائے لے کر آئے... اس چائے کے مقابلے میں ہماری چائے بہت

معمولی نظر آرہی تھی... مولانا نے ہمارے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر بڑی اپنائیت کے ساتھ دوسرے آنے والوں سے کہا کہ آپ لوگ چائے لیجئے، ہم تو ہلال میاں کی چائے پئیں گے... بات معمولی سی تھی لیکن مولانا کی شفقت اور ان کے بلند اخلاق کا نہ مٹنے والا نقش ہمارے دل پر چھوڑ گئی... کبھی لکھنؤ جانا ہوتا تھا پرسنل لاء بورڈ کی میٹنگ میں شرکت کے لئے تو مولانا کے وہی دل کو موہ لینے والے انداز ہوتے تھے... برابر میں بیٹھے ہوئے کچھ نہ کچھ سامنے رکھ دینا اور بڑی محبت سے کہنا کہ بھئی یہ بھی تو کھایئے... یہ حسن اخلاق اور بلند کرداراور یہ شفقت اور مروت ومحبت اس کے نمونے اب کہاں نظر آتے ہیں۔

مولانا سید محمود صاحب سے ملاقات

مدینہ طیبہ کے قیام کا ذکر ادھورا رہ جائے گا اگر وہاں کی ایک انتہائی محترم شخصیت مولانا سید محمود صاحب کا تذکرہ نہ کیا گیا... مولانا سید محمود صاحب شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے... حکومت اور عوام سب جگہ انتہائی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے... ان کے بیٹے سید حبیب صاحب مدینہ کے گورنر رہ چکے تھے۔ مولانا سید محمود صاحب کا تعلق حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب سے بھی بڑا عقیدت مندانہ تھا۔ اکثر ملاقات کے لئے تشریف لایا کرتے تھے اور وہاں ہمیں بھی ملنے کا موقع ملتا تھا، بلکہ باب مجیدی کے قریب وہ مکان جس میں مولانا بدر عالم صاحب کا قیام تھا وہ سید محمود صاحب کا ہی تھا۔

ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک مرتبہ گرمیوں کے موسم میں میں اور بھائی رشید صاحب سید محمود صاحب کے مکان پر ان سے ملاقات کے لئے گئے... ان کا مکان مسجد ابوبکر کے قریب تھا، وقت بھی گرمی کا تھا اور موسم بھی... ہم جب ملاقات کے کمرے میں پہنچے تو سید محمود صاحب کمرے میں پسینے میں نہائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ہمارے پہنچنے پر انھوں نے ایئر کنڈیشنڈ آن کر دیا اور چند منٹ میں کمرہ ٹھنڈا ہو گیا... ہمارے لئے بہت عمدہ قسم کا شربت منگوایا اور محبت آمیز گفتگو فرماتے رہے... ہم نے ہمت کر کے عرض کیا کہ سید صاحب ہم لوگ جب حاضر ہوئے تو آپ پسینے میں نہائے بیٹھے تھے، ایئر کنڈیشنڈ ہوتے ہوئے آپ گرمی میں بیٹھے رہے، ہم لوگوں کو اس پر حیرت ہے۔

اس کے جواب میں سید صاحب نے جو فرمایا وہ بڑا نصیحت آمیز ہے... کہنے لگے کہ جب ہم مدینہ طیبہ میں آئے تو بڑی مفلسی کی حالت تھی، ایک چھوٹا سا مکان اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا وہ اب

بھی موجود ہے، کبھی آپ کو لے جا کر دکھائیں گے، میں مشینوں کا کام جانتا تھا، محنت کرتا تھا اور آہستہ آہستہ ترقی کرتا گیا، آج آپ محل نما مکان دیکھ رہے ہیں، کبھی کبھی دل چاہتا ہے اپنے نفس کو یہ بات یاد دلا دی جائے کہ کبھی تمہاری کیا حالت تھی، بس اسی خیال سے پسینہ آنے کے باوجود اے سی نہیں چلایا کہ پرانی یاد تازہ رہے اور اس عیش وعشرت کی عادت نہ پڑ جائے... سید صاحب کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ شاہ سعود کی دعوت کی، دعوت کے بعد شاہ نے اپنی طرف سے ایک اعلیٰ ترین کار تحفے میں بھیجی۔ سید صاحب نے یہ کہہ کر واپس کردی کہ ہم دعوت کی قیمت نہیں لیتے۔ شاہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم اپنے بھائی کو منانا جانتے ہیں... جس شخص کی عزت اور احترام کا یہ عالم ہو وہ اپنے پرانے وقت کو یاد رکھے اس سے بڑھ کر اعلیٰ کردار کون سا ہوسکتا ہے۔

آخری بات

مدینہ منورہ کا قیام اپنے ساتھ اتنی یادیں اور باتیں لئے ہوئے ہے کہ اس کا ذکر ختم کرنے کو دل نہیں چاہتا... وہاں کے لوگوں کا اخلاق، ان کی مروت، ان کی سخاوت، حقیقت یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنی فطرت کے اعتبار سے بہت اچھے ہیں۔ ان میں اتنی خوبیاں ہیں جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ تعصب نام کی کوئی چیز وہاں نہیں ہے، ذات برادری کا کوئی تصور نہیں ہے بس ایک رشتہ جو سب کو جوڑے ہوئے ہے... اخوت، مساوات اور ایمان کا وہ مضبوط رشتہ جو اہل ایمان کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیتا ہے... وہ دن جو مدینہ کی پرنور، پاکیزہ فضا میں گذرے کبھی بھلائے نہیں جاسکتے... بقول شمیم جے پوری مرحوم۔

پھر آج تک ہوا نہ میسر کہیں شمیم
جو زندگی کا لطف مدینے میں آگیا

عمر کے اس آخری مرحلے میں تمنا ہے کہ دنیا کی زندگی کا جو وقت بھی اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے وہ اس نورانی شہر میں گذر جائے اور جنت البقیع کے قبرستان کی مٹی میں میرا یہ بدن سما جائے... آمین۔

❁ ❁ ❁

سب سے زیادہ ہندوستانی NRI سعودی عرب میں

از: ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی
دہرہ دون

وزارت برائے سمندر پار شہری معاملات نے دنیا کے ۱۸۳ ممالک کے ۱۸۰ ممالک میں اعداد وشمار اکٹھا کر کے پیش کئے ہیں۔ جن کے مطابق ہندوستانی NRI کی بڑی تعداد دنیا کے پانچ ممالک میں اکٹھا ہے۔ سب سے زیادہ ہندوستانی لگ بھگ ۱۸ لاکھ سعودی عرب میں رہتے ہیں۔ دوسرے نمبر پندرہ لاکھ U.A.E میں، امریکہ میں صرف ۹ لاکھ، برطانیہ میں ۷ لاکھ، کویت میں ۵ لاکھ، ۸۰ ہزار اومان میں، ۵ لاکھ ۵۰ ہزار NRI غیر مقیم ہندوستانی رہتے ہیں۔ ہندوستان سے باہر جانے والوں میں سب سے زیادہ اضافہ خلیج کے علاقہ میں ہوا ہے۔ جہاں ۱۹۶۰ء میں شرح 4/6% تھی اور اب 38.6% ہے۔ امریکہ میں 6.7% سے 14.2% اور یوروپ میں 3.5% سے 9.7% ہی ہے۔

مندرجہ بالا اعداد وشمار نے بہت سے غلط توہمات اور مسلم مخالف پروپیگنڈہ کے غبارہ کی ہوا نکال کر رکھ دی ہے۔ ضرورت ہے کہ ان اعداد وشمار کو مسلم تنظیموں کے ذریعہ بڑے پیمانہ پر عام کیا جائے۔ ہمارا مسلم/عرب مخالف میڈیا، سنگھ پریوار اور سرکاری انتظامیہ کا ایک مؤثر طبقہ دن رات یہ بتاتا رہتا ہے کہ مسلم ممالک میں ہندوؤں سے برا رویہ اپنایا جاتا ہے اس سے تعصب برتا جاتا ہے۔ مسلم ممالک سے دوستی میں صرف مسلم ممالک کو فائدہ ہوتا ہے۔ مگر اعداد وشمار بتا رہے ہیں کہ مسلم اور غیر مسلم عام ہنرمند ہندوستانیوں کی بڑی تعداد مسلم خلیجی ممالک میں پیسہ کما کر ہندوستان بھیج رہی ہے جس سے ملک بھی مضبوط ہو رہا ہے اور انتہائی غریب لوگ عزت سے پیسہ کما پا رہے ہیں۔ ایک اہم بات اس ضمن میں یہ بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ مسلم ممالک کو جانے والے لوگ عموماً کم پڑھے لکھے اور غیر ہنرمند یا کم ہنرمند ہوتے ہیں۔ اس طبقہ کو ہندوستان کے نئے چاہنے والوں امریکہ اور یوروپ میں کوئی نہیں پوچھتا ہے۔ وہ تو انہیں پڑھے لکھے پیشہ ور اعلیٰ تعلیم یافتہ کو منھ

لگاتے ہیں جن کی تعلیم وتربیت پر ہندوستان کا نظام لاکھوں روپیہ لگا چکا ہوتا ہے اور جب پھل دینے کا وقت ہے تو یہ لالچی خودغرض دیش بھگت خدمت کرنے امریکہ اور یوروپ پہنچ جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ عموماً اپنے خاندانوں کو ساتھ رکھتے ہیں اس لئے اپنی کمائی کا بڑا حصہ وہیں پر رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں بیرونی ممالک سے آنے والی رقوم کا بڑا حصہ خلیج سے ہی آتا ہے۔ جبکہ وہاں پر رہنے والے ہندوستانی غریب بھی ہیں اور لازماً کم تنخواہ والے بھی ہیں۔ انہیں کی رقومات سے ملک کا فارن ریزور کا ذخیرہ بڑھتا ہے۔ ملک کی قرض لینے اور سرمایہ کاری کی صلاحیت بڑھتی ہے۔ ملک کی G.D.P. پر مثبت اثر پڑتا ہے۔ ملک میں بے روزگاری، غریبی، صحت اور تعلیم کے مسائل دور ہوتے ہیں۔ اس کا واضح اثر ان علاقوں کی طرز زندگی پر دیکھا جاسکتا ہے جہاں بڑے پیمانہ پر آبادی خلیجی ممالک میں برسرِ روزگار ہے۔

مگر غور کرنے کا نکتہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ترقی میں خلیجی ممالک کے ریال کا اتنا بڑا اثر ہونے کے باوجود اِن تمام ممالک خصوصاً سعودی عرب کی منفی تصویر بنائی گئی ہے اس میں ہمارے یہاں کے سیکولر دانش ور، نام نہاد دفاعی ماہرین اور ہندی انگریزی میڈیا و سرکاری اداروں کا رول نہایت شرانگیز اور شرمناک ہے۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ آپ اصول پسندی کی دہائی دیں یا قدیم تہذیبی رشتوں کی دہائی دیں بلکہ اب تو ہر رشتہ اور تعلق کی بنیاد ''مفاد'' پر مبنی ہے۔ خالص مفاد پرستی کے لحاظ سے ہی دیکھیں تو بھی خلیجی مسلم ممالک کا پلڑا ہی بھاری ہے۔ یوروپ اور امریکہ جو سائنس ٹکنالوجی اور سب سے بڑی بات ہتھیار کی سپلائی کرتا ہے وہ دنیا میں ہر ترقی یافتہ ملک میں مہیا ہے۔ مگر جو چیز توانائی، پٹرول اور گیس اور روزگار اور گاہکوں کی منڈی ہمیں مسلم خلیج دیتا ہے اس کا متبادل ہمارے پاس نہیں ہے۔ مغرب کی تاریخ ہمارے ملک میں دیکھیں تو وہ خود انتہائی مکروہ اور استحصال سے بھرپور ہے۔ ہمارا ایک مخصوص طبقہ آج کل اسرائیل کا بڑا حمایتی ہے اس کی حمایت کرتا ہے اُس کو ماڈل ملک بنا کر پیش کرتا ہے۔ ہندوستان کے تحفظ میں اس کا بہت رول دیکھتا ہے۔ مگر اعداد وشمار اور حقائق کی روشنی میں جائزہ لیں تو ''مفاد'' کی کسوٹی پر وہ کہیں بھی خلیج اور مسلم ممالک کے برابر نہیں ٹھہرتا جنہیں ہم خواہ مخواہ اپنا دشمن بتانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اسرائیل میں کتنے لاکھ ہندوستانیوں کو روزگار ملا ہوا ہے؟ اسرائیل ہمارے ملک سے کیا کیا خریدتا ہے؟ ہماری کیا مصنوعات یا زرعی پیداوار وہاں سے زرمبادلہ کماتی ہیں یہ تمام معلومات کبھی میڈیا نہیں بتاتا۔ بتاتا صرف یہ ہے کہ ہم وہاں سے اربوں ڈالر کے ہتھیار خرید رہے ہیں اور اُس کے خزانہ کو بھر رہے

ہیں۔ جو ملک اپنی تمام ٹکنالوجی، ملٹری، بے رحمی اور آلات کے بعد امن نہیں حاصل کرسکا ہم اس سے تحفظ کا طریقہ اختیار کرنے کے نام پر اربوں ڈالر اسے سونپ رہے ہیں۔ وہ قوم جس نے ہمیشہ محسنوں سے دغا کیا ہے وہ ہمارے یہاں اندرونی خلفشار بڑھا کر اپنی واحد اسلحہ کی تجارت کو نہیں بڑھائے گی اس کی کیا گارنٹی ہے؟ حال ہی میں اسرائیل سرکار کی اپنے شہریوں کو جاری کی گئی سفری احتیاط میں ہندوستان کے سفر سے متنبہ کیا ہے اور ہندوستان کی حکومت کو دہشت گرد حملہ کی خفیہ اطلاع دی ہے اور دو دن بعد ہی گوا میں ہندو دہشت گردوں نے مندر اور اس کے آس پاس دھماکہ کردیئے۔ یہ خبر بھی بہت اہم ہے کہ اس سناتن دھرم دہشت گرد تنظیم کے آشرم میں غیر ملکی آتے رہے ہیں اور دھماکہ والے دن بھی وہاں غیر ملکی موجود تھے۔ اب دو دن بعد پورا میڈیا خبر کو دبا کر بیٹھ گیا ہے۔ پکڑے گئے لوگوں کی تفصیل ان کی پوچھ تاچھ کے حوالہ سے نہیں آرہی ہے کہ یہ غیر ملکی کون تھے؟ اس سے پیشتر 26/11 ممبئی محلوں میں بھی یہودی عبادت گاہ ناریمن ہاؤس کی مشتبہ سرگرمیوں پر ہمارے دیش بھگت سرکاری اور غیر سرکاری حلقہ خاموش ہیں۔ خلیجی ممالک سے آنے والی سرکاری غیر سرکاری مالی امداد پر بڑا شور شرابہ ہوتا ہے مگر خود بھارت سرکار کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ کسی بھی مسلم ادارہ کو دس کروڑ سالانہ سے زیادہ یا اس کے آس پاس مدد نہیں ملتی جبکہ یوروپی، امریکی ممالک سے عیسائی اور ہندو تنظیموں کو اربوں روپیہ کی مالی امداد ملتی ہے۔ اگر ''مفاد'' ہی کسوٹی ہے تو کیا خلیجی ممالک سے ہندوستان کو ہونے والے فوائد اور اسرائیل، امریکہ، یوروپ سے ہونے والے فوائد برابر ہیں؟ اس مسئلہ پر بحث ہونی ضروری ہے۔

❁ ❁ ❁

رپورتاژ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد دارالعلوم میں تعزیتی اجلاس اور تدفین

از: مولانا اشتیاق احمد
مدرس دارالعلوم دیوبند

۴؍فروری ۲۰۱۰ء کی صبح صادق عجیب غم واندوہ لے کر طلوع ہوئی، پنجشنبہ (جمعرات) کی رات دو بج کر دس منٹ پر صبح کاذب سے پہلے ہی علم وعمل کا جامع ایک ایسا ستارہ غروب ہوگیا، جس کی ضیاپاش تابانی پر آفتابِ نیم روز بھی رشک وغبطہ کے ترانے گا رہا تھا، اس ستارے کا غروب شام غم سے بھی زیادہ غمگین ثابت ہوا، صبح روشنی اور امید لے کر طلوع ہوتی ہے مگر یہ صبح عجیب انداز سے طلوع ہوئی، اس میں روشنی کے بجائے تاریکی اور امید کے بجائے حسرت ویاس کے گھنے بادل چھائے ہوئے تھے، ''بغدادِ ہند'' دیوبند میں ان گنت لوگ ایک دوسرے کو فون کررہے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے (سابق) شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ انھوں نے اس عظیم دانش گاہ میں پینسٹھ (۶۵) سال کے قریب کامیاب مدرسی کی؛ بارہ سال تک قائم مقام ''صدر مدرس'' اور سترہ سال تک ''صدر مدرس'' رہے، اور کافی عرصہ تک ''نائب مہتمم'' رہے تینتیس (۳۳) سال تک بخاری شریف کا درس دیا، جن کے شاگردوں کی تعداد حضرت مدنیؒ کے شاگردوں سے زیادہ ہوگئی، ابتدا سے انتہا تک کی ساری اہم کتابیں پڑھائیں، علوم شرعیہ کے ساتھ علوم عقلیہ میں آپ کا ثانی نہیں، علم ہیئت میں امامت کا درجہ حاصل تھا اس لیے رسالہ فتحیہ پر حاشیہ تحریر کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں ایک دو اساتذہ کو چھوڑ کر ابتدائی درجہ کے مدرسین سے لے کر شیخ الحدیث تک سب آپ کے شاگرد ہیں۔ فجر کی نماز سے پہلے ہی بہت سے لوگوں کو اطلاع مل گئی، دن ہوتے ہی دنیا بھر کے علماء طلباء اور متعلقین کو یہ کرب ناک خبر پہنچ گئی، فون کی نحوست کہیے یا برکت؛ غرض پوری دنیا غموں کی تاریکی میں آگئی، اُدَبا کسی خبر

کو بہت جلد پھیلنے کی تعبیر کے لیے ''جنگل کی آگ'' کا استعارہ لیتے ہیں؛ مگر راقم الحروف کے نزدیک یہ تعبیر بھی آج کی جدید ٹکنالوجی کے زمانہ میں اپنی وسعت گھٹا چکی ہے؛ غرض یہ کہ طلبہ اور علماء کی ایک بھیڑ حضرت شیخ اول رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کی طرف روانہ ہوگئی، مجمع اتنا زیادہ ہوگیا کہ ''لال مسجد'' سے ''قاضی مسجد'' تک کا راستہ مسدود ہوگیا، فجر کے پہلے سے نو بجے کے قریب تک ایسی ہی بھیڑ رہی۔

آٹھ بجے کے بعد ''مسجد قدیم'' کی مائیک سے اعلان ہوا کہ سارے اساتذہ اور طلبہ دارالعلوم دیوبند دارالحدیث میں جمع ہوجائیں، چنانچہ چار ہزار کے قریب افراد جمع ہوگئے، پورا مجمع تعزیت کا مستحق، کون کس کو تسلّی دے؟ ہر طرف غم زدہ چہرے ہر جانب پُرنم آنکھیں، پورا ماحول اُداس، در و دیوار ماتم کناں؛ بڑے بڑے اکابر اساتذہ کی زبان خاموش؛ لیکن آنکھوں سے آنسو جاری تھے، ہر ایک بے قابو وإنّا بك يا أستاذُ لمحزونون کی تصویر بنا ہوا تھا، اسی حالت میں بہت سے لوگوں نے تلاوتِ قرآن کیا، بہت سوں نے تسبیح پڑھی اور بہت سے حضرات نے ''کلمہ طیبہ'' کا ورد کیا، اس طرح آدھ پون گھنٹہ گذرا، اس کے بعد ہر غم زدہ کو تسلّی دینے اور خود پہلے صبر حاصل کرنے کے لیے حضرت شیخ کے شاگرد رشید حضرت مولانا قمرالدین صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے اور خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت الاستاذ مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دنیائے فانی سے دنیائے جاودانی میں منتقل ہوگئے، وہ اپنے محبوبِ حقیقی سے جاملے اِنا للّٰہ وانا الیہ راجعون، حضرت رحمۃ اللہ علیہ یگانۂ روزگار تھے، علوم عقلیہ کے ساتھ علوم نقلیہ میں بڑی وسعت گاہ رکھتے تھے، اسی کے ساتھ آپ علم وعمل کے جامع پیکر تھے، آپ میں اخلاقِ کمال مکمل طور پر موجود تھے، یقیناً آپ مغفور و ماجور ہیں، آپ سے کسی کی ذات کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی پھر حدیث شریف سنائی کہ: سرکارِ دوعالم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ آیا لوگوں نے اس کی تعریف وتوصیف کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وَجَبَتْ'' (واجب ہوگئی) پھر دوسرا جنازہ آیا تو لوگوں نے اس کی مذمت کی تو سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وَجَبَتْ'' (واجب ہوگئی) - اس پر صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! دونوں صورتوں میں آپ ﷺ نے ایک ہی جملہ ارشاد فرمایا، دونوں کا مطلب کیا ہے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے کے لئے جنت واجب ہوگئی (جس کی لوگوں نے تعریف کی) اور دوسرے کے لیے جہنم واجب ہوگیا (جس کی لوگوں نے مذمت کی) - معلوم ہوا کہ جس کے اخلاق اچھے ہوں، لوگوں کے ساتھ برتاؤ بہتر ہو تو وہ

اللہ کے یہاں محبوب ہے اور جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں وہ اللہ کے یہاں بھی مبغوض ہے، حضرت علیہ الرحمہ کے بارے میں سب لوگ متفق ہیں کہ آپ سے کسی کو ادنیٰ سی تکلیف بھی نہیں پہنچی؛ اس لیے آپ ضرور جنتی ہیں، پھر ایک مصرع پڑھا ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

آگے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ کے حسن خلق صلاح وتقویٰ اور برکت وروحانیت کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ آپ کو استاذ بنالوں چنانچہ فارغ ہونے کے بعد ''فنون'' میں ''حسامی'' میں نے حضرت سے پڑھی ہے، اس وقت ''حسامی'' دورۂ حدیث کے بعد تکمیل فنون میں پڑھائی جاتی تھی، حضرت الاستاذ کی صفتِ تواضع بہت نمایاں صفت تھی- حضرت مولانا قمرالدین صاحب نے اس کے بعد اپنی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ایک بار بازار سے میں سبزیاں لا رہا تھا حضرت الاستاذؒ نے دیکھا اور نہایت متواضع انداز میں ارشاد فرمایا کہ ''لائیے میں گھر پہنچادوں'' - حضرت مولانا نے اپنی تقریر میں ارشاد فرمایا کہ: حضرت الاستاذؒ بڑے سلیم الطبع تھے، اور یہ سب سے بڑی صفت تھی، طبیعت نہایت معتدل تھی، ہمیشہ ایسا موقف اختیار فرماتے تھے جس میں کسی کو کوئی اذیت وتکلیف نہ ہو۔

حضرت الاستاذ مولانا قمرالدین صاحب زید مجدہ کے بعد حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ پرنم آنکھوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھے اور ارشاد فرمایا: سرکارِ دوعالم ﷺ سے صحابۂ کرامؓ نے سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ سب سے بہتر کون شخص ہے؟ اس پر دربار نبوی سے جواب ملا: "مَنْ طَالَ عُمرهٗ وحَسُنَ عَمَلُهٗ" جس کی عمر لمبی ہو اور عمل نیک ہو، اس حدیث کے صحیح مصداق حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ کی عمر لمبی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال بہت زیادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی، حضرتؒ نے (کم وبیش) پینسٹھ (۶۵) سال دارالعلوم دیوبند کی خدمت کی، مجھے بھی ''شرح جامی'' پڑھنے کا شرف حضرت سے حاصل ہوا ہے، حضرت الاستاذؒ میں سلامتی طبع بہت زیادہ تھی، (جیسا کہ حضرت مولانا قمرالدین صاحب نے ابھی فرمایا) حضرت کا موقف نہایت ہی معتدل ہوتا تھا، اور اس پر حد درجہ اطمینان بھی رہتا تھا، میں نے کبھی تذبذب نہیں دیکھا، دارالعلوم کے گذشتہ اختلاف کے موقع سے حضرتؒ اگرچہ انتظام سے منسلک تھے لیکن نہایت ہی شرحِ صدر کے ساتھ ہمارے ساتھ رہے، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور ان کے شایانِ شان جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں (آمین)

اخیر میں حضرت الاستاذ مولانا عبدالحق صاحب اعظمی مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

تشریف لائے اور بڑے ہی پُر درد لہجے میں، جگر مرادآبادی کا یہ شعر پڑھا۔

جان کر من جملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

پورے مجمع پر ایک غم کا سماں بندھ گیا، پھر حدیث شریف پڑھی إذا ماتَ الإنسانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ إلَّا مِنْ ثَلاث (الحدیث) جب انسان وفات پاجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، مگر تین چیزوں کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ ایک صدقۂ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں، تیسرے نیک اولاد جو دعا کرتی رہے، ان تینوں کا ثواب اللہ تعالیٰ اس بندے کو مرنے کے بعد بھی دیتے رہتے ہیں، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد صرف وہی نہیں ہیں جو ان کی صلب سے پیدا ہوئی ہیں، سارے شاگرد ان کی روحانی اولاد ہیں، ان کے سینوں میں ان کا ودیعت کیا ہوا علم ہے، اس سے بعد والے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ سب کے نیک عمل میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ثواب ملے گا۔ سب تعزیت کے مستحق ہیں، سب کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے (آمین) حضرت شیخ نے اپنے بیان کے دوران یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: علماء نے اخلاق کی تعریف: مُراعاةُ الخَلقِ مع رضاءِ الحق سے کی ہے، یعنی حسن اخلاق یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاشنے کے ساتھ مخلوق کی رعایت کرے، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں یہی اخلاق موجود تھے، ہر ہر آدمی کی رعایت کرتے تھے، اور ہر وقت اللہ کی رضامندی پیش نظر رہتی تھی، جب بھی بخاری شریف کے ختم کے لیے میں گذارش کرتا تو ہمیشہ یہی ارشاد فرماتے کہ: اس سال تو آپ ہی کو ختم کرانی ہے'' میں فون پر یا ملاقات کرکے اصرار کرتا تو قبول فرمالیتے؛ چنانچہ ہمیشہ بخاری شریف کے آخری درس کے لیے آتے تھے اور ہر ایک کے لیے دعاء کرتے تھے، کوئی آپ کی دعاء میں نہیں چھوٹتا، دارالعلوم اور دارالحدیث کی دیواروں اور اینٹوں میں حضرت علیہ الرحمہ کی آواز گونج رہی ہے، اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ رحمت نصیب فرمائیں اور دارالعلوم کو ان کا بدل عطا فرمائیں! حضرت شیخ مدظلہ العالی کی پُر درد و پُر سوز دعا پر مجلس اپنے اختتام کو پہنچی، اخیر میں مولانا مجیب اللہ صاحب مدظلہ ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے پرنم آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز میں ایک دن کی تعطیل کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی طلبہ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ: آپ اپنے اپنے کمروں میں حضرت الاستاذؒ کے لیے ایصالِ ثواب کیجئے۔

ظہر کی نماز سے پہلے ہی جنازہ احاطۂ مولسری میں لایا گیا، مجمع کو کنٹرول کرنے کے لیے مولسری پیڑ سے مائیک باندھ دی گئی تھی، بار بار مختلف ہدایات کے ذریعہ انسانی سروں کے سمندر کو قابو میں رکھا گیا، احاطۂ مولسری، صدر گیٹ، سڑک تک، دفتر تعلیمات، دارالاقامہ، اہتمام، مسجد قدیم کے راستے سب کے سب کھچا کھچ بھرے تھے، کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی، ڈھائی بجے حضرت الاستاذ قاری محمد عثمان صاحب مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی، صدر گیٹ سے جنازہ ''مزار قاسمی'' لایا گیا، مجھ جیسے کم ہمت لوگ ''مدنی گیٹ'' سے آگے قبرستان کی طرف آگئے تاکہ تابوت کو ہاتھ لگانے کا شرف حاصل ہوجائے گا؛ لیکن قبرستان تک اس کا موقع نہیں مل سکا، حضرت الاستاذ مولانا قمرالدین صاحب زید مجدہ اور حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی زید مجدہ کے ساتھ ''شیخ الہند ہال'' کے باہر بیٹھے رہے، ساڑھے تین بجے مٹی دینے کی نوبت آئی۔ سب لوگ اُداس چہرے کے ساتھ واپس ہورہے تھے، ہر دل سے علامہ اقبال کی دعاء آسمان کی طرف اٹھ رہی تھی۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ولادت: ۲۱؍ربیع الاوّل ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳؍دسمبر ۱۹۱۸ء کو ہوئی تھی، اس طرح عیسوی کے لحاظ سے ۹۲ سال اور ہجری کے لحاظ سے ۹۵ سال کے قریب عمر پائی۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کے خیر کے ساتھ ہمیں بھی طویل عمر عطا فرمائیں! (آمین)

❁ ❁ ❁

تعارف وتبصرہ

قانون اسلامی پر ایک شاہکار کتاب

تبصرہ از: مولانا سرفراز احمد قاسمی
استاذ جامعہ ربانی منورواشریف

اسلامی قانون ایک انتہائی مشکل موضوع ہے جس میں ہر دور کے بہترین دماغ خرچ ہوئے ہیں اور امت کے ذہین ترین لوگوں نے اس پر کام کیا ہے، دیگر علوم وفنون کی طرح اس کی فنی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے لیکن اصل چیز جس نے ہر دور میں اس کو زندہ فن کے طور پر باقی رکھا ہے اور جس میں دنیا کا کوئی علم وفن اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا وہ ہے حالات زمانہ پر اس کی تطبیق کا مسئلہ، یہ محض ایک فن نہیں ہے جو تحقیق وریسرچ کی چہار دیواری میں محدود رہے؛ بلکہ دنیا کی قیادت اس کے ہاتھ میں ہے، احوال زمانہ پر اس کی نظر ہے، سوسائٹی کا نظم وضبط اس کے ذمہ ہے، نظام اخلاق کی باگ ڈور اس کے پاس ہے، احوال وظروف کی تشکیل میں اس کا بڑا حصہ ہے، اگر معاشرہ پر اسلامی قانون کی حکمرانی نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جائے گا، اسلامی قانون اخلاق اور انسان کی پرائیوٹ لائف سے بھی بحث کرتا ہے اور سیاسی اور اجتماعی نظام سے بھی، اسلامی قانون انسانی دنیا کے لئے خدا کا شاندار عطیہ ہے، انسانوں کا بنایا ہوا کوئی قانون اس کی ہمسری نہیں کرسکتا، جب تک دنیا پر اسلامی قانون کی حکمرانی قائم رہی دنیا میں امن وسکون اور خوشحالی وفارغ البالی بھی پورے طور پر باقی رہی لیکن جب سے دنیا اس قانون کے سایہ سے محروم ہوئی ہے بدامنی، بدچلنی، غربت وبھوک مری عام ہوئی، محبت ورواداری نے دم توڑ دیا، انسانی قدریں پامال ہوئیں، سارا فلسفہ اخلاق کتابوں کے اوراق تک محدود ہوکر رہ گیا، عام زندگی سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا، قانون کو بازیچۂ اطفال بنادیا گیا، دنیا کے کہترین دماغوں نے بھی اس پر دماغی زور آزمائی شروع کردی، جو قانون کے تعلق سے خود مخلص نہیں تھے ان کو عوامی انتخابات کے ذریعہ قانون سازی کا اختیار دے دیا گیا اس طرح قانون کو اپنی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنالیا گیا، دنیا نے اسلامی قانون سے محرومی کیا گوارا کی، زندگی کی ساری نعمتوں سے محروم ہوگئی، آج دنیا کو پھر اسی قانون کی ضرورت ہے، آج دنیا جس امن وسکون کی متلاشی ہے وہ صرف اور صرف قانون اسلامی کی نگرانی ہی میں حاصل کی جاسکتی ہے دنیا کے تمام تر قوانین اس کے سامنے بونے اور ادھورے ہیں سب نے اسلامی قانون سے خوشہ چینی کی ہے اور سینکڑوں برسوں سے ہزاروں دماغ اس کی ترتیب وتہذیب

میں لگے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دور طفولیت سے بھی نہیں نکل سکے ہیں۔ (مستفاد از کتاب ''قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز۔ مصنفہ مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی)

آج دنیا کے سنجیدہ لوگ دوبارہ اسلامی قانون کے تعلق سے غور کرنا چاہتے ہیں، مگر کچھ ہمارے اپنوں کی نادانی اور کچھ غیروں کی عیاری کہ یہ بات صرف نظریہ وتفکیر کی حد تک رہ جاتی ہے کوئی عملی صورت نہیں بن پاتی، ان حالات میں ہمارے ذہین اور مخلص لوگوں کو اس موضوع پر کام کرنے کی سخت ضرورت ہے، ادھر چند دہائیوں سے اسلامی علوم پر کام کرنے والوں میں یہ رجحان بڑھا ہے اور اس سلسلے کی بعض کاوشیں بھی سامنے آئی ہیں لیکن ابھی اس پر کوئی بہت بڑا کام نہیں ہوسکا ہے اور نہ اس کے لئے ہمارے یہاں کوئی خاص تیاری نظر آتی ہے چونکہ اس میدان میں آمدنی کم اور محنت زیادہ ہے اس لئے آرام پسند طبیعتیں اس کے لئے آمادہ نظر نہیں آتیں اور ہر انسان مادہ اور سستی ترقی کی طرف بھاگتا نظر آتا ہے بلکہ المیہ یہ ہے کہ اس سلسلے کی جو بعض چیزیں آئی ہیں ان کو پڑھنے تک کو تیار نہیں ہیں، یہ بہت زیادہ اندیشہ کی بات ہے۔

عہد جدید میں اس موضوع پر جو کام ہوئے ہیں ان میں بہترین اور جامع ترین کام معروف فقیہ ومحقق حضرت مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی سابق استاذ حدیث اور صدر کلیۃ الشریعہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد وموجودہ مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار کی شاہکار کتاب ''قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز'' ہے، یہ میرے علم کی حد تک اس موضوع پر ایک جامع ترین کتاب ہے کئی ماہرین قانون اور علماء نے اس کو اس موضوع کا انسائیکلوپیڈیا قرار دیدیا ہے، یہ اس عہد کا شاندار علمی تحفہ ہے، اسلامی قانون کی تاریخ، اس کی روح واساس اور ذوق ومزاج، اصول وقواعد، امتیازات و خصوصیات، اسلامی قانون پر ہونے والے اعتراضات وشبہات کے تشفی بخش جوابات، فقہ اسلامی پر اب تک ہونے والے کاموں کا جامع اور دلچسپ تذکرہ، دنیا کے بڑے اور مشہور ملکوں کے قوانین کا تعارف اور خصوصیات، اسلامی قانون اور اصول قانون پر لکھی جانے والی مشہور کتابوں کی مکمل فہرست اور ضروری تعارف، اسلامی قانون کی مشہور عربی اصطلاحات کا ترجمہ اور ضروری تشریح (اردو اور انگریزی زبانوں میں) اور ان کے علاوہ بھی بہت کچھ، جو اس کتاب کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں یکجا طور پر موجود نہیں ہے، عربی میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن کوئی ایک کتاب ایسی موجود نہیں ہے جو تنہا ان مباحث کے لئے کافی ہو، اسی لئے متعدد اصحاب علم وتحقیق نے عربی اور انگریزی زبانوں میں اس کتاب کے ترجمہ کی سفارش کی ہے، ہم ذیل میں کتاب کے تعلق سے بعض مشہور اہل علم وتحقیق کی آراء اور خیالات کے اقتباسات پیش کرتے ہیں جو انھوں نے مصنف کتاب کو خط لکھ کر یا اپنے رسالوں اور مضامین میں تبصرہ کے ذریعہ اظہار فرمایا ہے، تاکہ عام قارئین کتاب کی اہمیت کا اندازہ کرسکیں:

❁ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند:

''آپ نے جس وسیع علمی موضوع کو اپنی تصنیف کے لئے منتخب کیا ہے اسے میں حسن انتخاب

کہے بغیر نہیں رہ سکتا دور حاضر میں اس طرح کے موضوع پر کام کرنے کی جس قدر ضرورت ہے وہ بین الاقوامی حالات پر نظر رکھنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔ (مکتوب گرامی مطبوعہ در کتاب)

❁ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند:

''پیش نظر کتاب میں مؤلف محترم نے جس بالغ نظری سے اسلامی قانون پر فقیہانہ کلام کیا ہے وہ نہ صرف حضرت مفتی صاحب کے کمال علم پر شاہد عدل ہے بلکہ قانون کے بیشمار ظاہر و مخفی گوشوں کے منفرد طرز و انداز اور عصر حاضر کی بڑی حد تک نفسیات شناشی پر مبنی ہے'' (اقتباس از تقریظ کتاب)

❁ فقیہ کبیر حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی
سابق مفتی دارالعلوم دیوبند و مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

''دنیا کے تمام قوانین مولانا کے پیش نظر ہیں اور اسلامی قوانین کی خصوصیات پر اور انکی پائیداری اور انسانوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر جو کچھ لکھا ہے وہ تمام اہل علم کے پڑھنے کے لائق ہے، جو بحث کی ہے وہ سب عالمانہ اور منصفانہ ہے اس میں کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے'' (از مقدمۂ کتاب)

❁ امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

''یہ کتاب اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے جس میں ہمارے فاضل عزیز مولانا اختر امام عادل نے جدید تقاضوں اور نئے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی قانون کی معنویت پر روشنی ڈالی ہے اپنے موضوع پر ایک جامع اور مستند کتاب ہے۔'' (از تقریظ کتاب)

❁ محدث کبیر حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ
سابق صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم (وقف) دیوبند

''عزیز موصوف کی زیر نظر تالیف گراں قدر مباحث پر مشتمل اور ایک اہم ضرورت کی تکمیل، محاورہ اپنی جگہ مسلم و بامعنی ''مشک آن کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید'' (از تقریظ کتاب)

❁ مؤرخ و ادیب حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ
سابق استاذ ام القریٰ مکہ مکرمہ و سابق معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''اس سلسلہ میں جن دستاویزوں اور مسودات پر میری نظر پڑی ہے ان میں جناب مولانا مفتی اختر امام عادل حفظہٗ اللہ کا کام خاصا وقیع اور قابل قدر ہے مولانا کا کام پیش رو کاموں کی بہ نسبت اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہے اور اس کی ضرورت تھی۔'' (از تقریظ کتاب)

❁ محدث و فقیہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری صاحب دامت برکاتہم
صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

''یہ ایک جامع انسائیکلو پیڈیا بن گیا ہے اور یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کتاب اس موضوع پر حرف آخر ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب سب سے زیادہ مبسوط اور جامع ہے۔'' (از تقریظ کتاب)

❁ بحر العلوم حضرت علامہ مولانا محمد نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم
محدث دارالعلوم دیوبند

''مولانا اختر امام عادل کی یہ کتاب بڑی محنت اور ہمہ جہت مطالعہ کے بعد لکھی گئی ہے، ماشاء اللہ ان کی یہ خدمت ہم علماء کے لئے یادگار ثابت ہوگی اور امت کی طرف سے ہم پر جو قرض ہے وہ بحسن وخوبی ادا ہوجائے گا۔'' (از تقریظ کتاب)

❁ ادیب شہیر حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی صاحب دامت برکاتہم
ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

''آپ کا علمی تحفہ جو فقہ اسلامی کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں ایک سیر حاصل اور محققانہ کام کی صورت میں سامنے آیا ہے اور بہت قابل ستائش ہے موصول ہوا،.... میں اظہار قدردانی کرتا ہوں اور اس علمی کام کو فقہ اسلامی سے خصوصی تعلق رکھنے والوں کے لئے خصوصی مدد کی حیثیت سے دیکھتا ہوں...'' (مکتوب گرامی-۳/۱۲/۲۰۰۸ء)

❁ ادیب کبیر حضرت مولانا سعید الاعظمی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ومدیر البعث الاسلامی

''آنجناب کی تالیف مبارک ''قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز'' اسلامی شریعت کے موضوع پر ایک نادر تحفہ ہے، جو آپ کی علمی وشریعتی بصیرت کی علامت ہے،... میرا خیال ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کے ساتھ انگریزی اور ہندی میں بھی منتقل ہونی چاہئے یہ اسلامی کتب خانے میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتی ہے، تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس علمی کاوش کو قبول فرما کر اس کو نفع عام کا ذریعہ بنائیں اور وہ اسلامی مدارس وجامعات میں علمی کوششوں کی بنیاد بن سکے اور شریعت کے نئے گوشے سامنے آئیں۔'' (مکتوب گرامی-۷/۶/۱۴۳۰ھ)

❁ حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی صاحب دامت برکاتہم
سابق ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند، صدر آل انڈیا ملی وتعلیمی فاؤنڈیشن دہلی ورکن پارلیمنٹ

''بحمد اللہ تعالیٰ آپ نے موجودہ عہد کے اس اہم تقاضہ کی اپنی اس موقر تصنیف میں نہایت عالمانہ، فقیہانہ اور محققانہ شان، معروضی انداز فکر، شستہ اور شگفتہ طرز نگارش کے ذریعہ تکمیل کرکے آج کی سسکتی انسانیت کی بروقت اور صحیح رہنمائی کی ہے، ذلك فضل اللّٰه يوتيه من يشاء'' (مکتوب گرامی-۱۴/نومبر ۲۰۰۸ء)

❁ خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم
رئیس جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

''مولانا اختر امام عادل قاسمی نے ''قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز'' نامی کتاب تحریر فرما کر یہی دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ اسلامی قوانین کے سامنے دنیا بھر کے قوانین ظلمت ونور کی سی نسبت رکھتے ہیں، کتاب بڑی عمدہ طویل اور سیر حاصل بحثوں پر مشتمل ہے،...واقعی کتاب ''دریا بکوزہ'' کا مکمل اور صحیح مصداق ہے۔'' (مکتوب گرامی ۳؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ)

❁ معروف صاحب قلم حضرت مولانا عزیز الحسن صدیقی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور ومدیر اعلیٰ ''تذکیر'' غازی پور، یوپی

''یہ ایک وسیع دائرۃ المعارف (Encyclopedia) ہے جس میں اسلامی قانون کی خصوصیات کا بھی بیان ہے اور امتیازات کا بھی، فاضل مصنف نے ان غلط فہمیوں کے ازالہ کی بھی کامیاب سعی کی ہے جو اسلامی فقہ کے بارے میں پائی جاتی ہے دنیا کے مختلف ممالک کے قوانین کا اسلامی قانون کی روشنی میں تقابلی مطالعہ اور قانون اسلامی پر لکھی گئی اہم بنیادی کتابوں کا تذکرہ بھی ہے اور فقہی اصطلاحات کا ذخیرہ بھی،...ہم سمجھتے ہیں کہ فاضل مصنف نے موجودہ دور کے تقاضوں کو بخوبی محسوس کیا ہے اور اس چیلنج کا معقول جواب دے دیا ہے جو اسلام کو درپیش ہے... لائق تبریک ہیں مولانا اختر امام عادل صاحب جنھوں نے ایک اکیڈمی کا کام تن تنہا کر ڈالا۔ یقیناً ان کی علمی کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا...

ہندوستانی علماء ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ فقر وفاقہ اور تنگی ومفلسی کی زندگی بسر کرتے ہوئے بڑے بڑے علمی کارنامے انجام دے ڈالتے ہیں، اس سے ان کی دنیاوی غرض اور جاہ ومنصب کے حصول کی نیت بھی نہیں ہوتی، زیر نظر کتاب اس لائق ہے کہ اس پر فاضل مصنف کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی جائے۔

علماء کی نئی صف میں فاضل نوجوان مولانا اختر امام عادل کو نمایاں مقام پر فائز دیکھ کر ہمارا دل باغ باغ ہوا جاتا ہے اور پرانی صف کے لوگ یاد آتے ہیں جن کی خصوصیت ہوا کرتی تھی کہ وہ بیک وقت مقرر بھی ہوتے تھے اور مصنف وادیب بھی، حق گوئی کی روایات بھی ان کے دم سے زندہ رہا کرتی تھیں۔''
(تذکیر سیریز ۶۴ ص: ۴۴، ۴۵)

علماء کی آراء کے چند نمونے تھے ورنہ آراء کی فہرست طویل ہے جو آئندہ انشاء اللہ حسب موقع ہم پیش کریں گے، ہمیں امید ہے کہ ہندوپاک کے مسلمان اپنی حسین روایت کے مطابق اس عظیم علمی خدمت کی قدر کریں گے اور اسلامی قانون کے تعلق سے آج جس حساسیت کا پیغام اس کتاب کے ذریعہ دیا گیا ہے اس پر توجہ دیں گے، ہم عظیم مصنف کو بھی دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں جنھوں نے ملت اسلامیہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی فجزاہ اللہ احسن الجزاء عنا وعن جمیع المسلمین.

❁ ❁ ❁